بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار: حضور حافظ ملت علامہ شاہ الحاج عبد العزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور

زیر سرپرستی:

عزیز ملت حضرت علامہ شاہ الحاج عبد الحفیظ صاحب قبلہ

سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ

ذی الحجہ ۱۴۳۹ھ | اگست ۲۰۱۸ء

جلد نمبر ۴۲ شمارہ ۸

مجلس ادارت

مدیر اعلیٰ: مبارک حسین مصباحی

نائب مدیر: محمد طفیل احمد مصباحی

منیجر: محمد محبوب عزیزی

تزئین کار: مہتاب پیامی

مجلس مشاورت

مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی

مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی

مولانا محمد ادریس بستوی مصباحی

مولانا عبد المبین نعمانی مصباحی

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ

دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور

اعظم گڑھ یو۔پی۔ ۲۷۶۴۰۴

THE ASHRAFIA MONTHLY

Mubarakpur. Azamgarh

(U.P.) India. 276404

قیمت عام شمارہ: 25 روپے

سالانہ: 250 روپے

چیک اور ڈرافٹ

بنام

مدرسہ اشرفیہ

بنوائیں

کوڈ نمبر ——— 05462

دفتر ماہنامہ اشرفیہ ——— 250149

الجامعۃ الاشرفیہ ——— 250092

دفتر اشرفیہ ممبئی فون/فیکس 23726122

سری لنکا، بنگلا دیش، پاکستان، سالانہ

500 روپے

دیگر بیرونی ممالک

20 $ امریکی ڈالر   15 £ پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org   E.mail: ashrafiamonthly@gmail.com

مولانا محمد ادریس مصباحی نے فیضی کمپیوٹر گرافکس، گورکھ پور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

مشمولات

اداریہ	آہ!صد آہ! جانشینِ مفتیٔ اعظم ہند تاج الشریعہ علیہ الرحمہ سانحۂ ارتحال	مبارک حسین مصباحی	۳

تحقیقات

اسلامی تاریخ	ذبیح کون؟ حضرت اسماعیل علیہ السلام یا حضرت اسحاق علیہ السلام	مفتی محمد علی فاروقی	۱۱

فقہیات

آپ کے مسائل	کیا فرماتے ہیں.............	مفتی محمد نظام الدین رضوی	۱۵

نظریات

فکر امروز	مدارس کا زوال...!!!	شیخ سجاد حسین رضوی	۲۲

تنقیدات

نقطۂ نظر	شریعت اور طبیعت	مولانا محمد عارف اللہ فیضی مصباحی	۲۵

شخصیات

تعزیتی تاثرات	حضرت علامہ تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کا وصال پر ملال	ادارہ	۳۰

بزمِ دانش

فکر و نظر	خانقاہوں سے کتابوں کی جدید اشاعت: ایک جائزہ	مولانا محمد عابد چشتی/ڈاکٹر امتیاز سرمد	۳۹

ادبیات

نقد و نظر	تین اہم مطبوعاتِ جدیدہ	تبصرہ نگار: محمد اظہار النبی حسینی	۴۶
	وسلموا تسلیما	تبصرہ نگار: سعید رحمانی	۴۸
خیابانِ حرم	نعت و منقبت	تاج الشریعہ حضرت علامہ اختر رضا خاں ازہری علیہ الرحمہ/سید شاکر حسین سیفی	۴۹

وفیات

سفر آخرت	دبستان حافظِ ملت کا ایک چراغ اور بجھ گیا	محمد ولی اللہ قادری	۵۰
	امینِ شریعت ثالث مفتی عبد الواجد نیر القادری کا وصال	رحمت اللہ مصباحی	۵۳

مکتوبات

صدائے باز گشت	سعید رحمانی/مولانا محمد عرفان قادری/مولانا محمد نظام الدین مصباحی		۵۴

سرگرمیاں

خیر و خبر	جامعہ ایوبیہ میں افتتاح بخاری شریف	قاری نور الہدیٰ مصباحی	۵۶

آہ! صد آہ!

جانشینِ مفتیِ اعظم ہند تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کا سانحۂ ارتحال

۲۰/ جولائی ۲۰۱۸ء کو ہم عزیز المساجد میں مغرب کی نماز ادا کر کے اپنی قیام گاہ پر آئے، طبیعت میں قدرے بے سکونی تھی، چند منٹ کے بعد بریلی شریف سے محب گرامی وقار الحاج ابرار احمد ایڈوکیٹ کی بیل آئی، ہم نے سلام کے بعد خیریت دریافت کی تو انھوں نے قدرے اضمحلال کے ساتھ ارشاد فرمایا: ”حضور تاج الشریعہ ابھی بعد نمازِ مغرب وصال فرما گئے“۔ ہم نے کلمۂ استرجاع پڑھنے کے بعد پھر عرض کیا، کیا واقعی ان کا وصال ہو گیا؟ ہاں مولانا، وصال کے بعد جیسے ہی ہمارے پاس فون آیا سب سے پہلے ہم نے آپ کے پاس کال کی، یہ ایک عظیم سانحہ تھا، ایسے مواقع پر صبر و شکر اور ایصال ثواب ہی غم و اندوہ کو دور کرنے کا ایک راستہ ہے۔ ہم نے اسی وقت شہزادۂ عزیز ملت حضرت مولانا شاہ محمد نعیم الدین عزیزی کو یہ الم ناک خبر سنائی، انھوں نے بھی چند لفظوں میں اپنے غم کا اظہار فرمایا، اس کے بعد ڈاکٹر فہیم عزیزی اور حضرت مفتی زاہد علی سلامی دام ظلہ العالی کو یہ الم ناک خبر سنائی، پھر ہم نے محترم جناب پرویز انجینئر صاحب سے بریلی شریف اور جامعہ منظرِ اسلام بریلی شریف کے صدر المدرسین حضرت مولانا محمد عاقل رضوی دام ظلہ العالی سے مزید رابطے کیے، اس کے بعد مسلسل موبائل پر مصروف رہا۔ عام طور پر بیش تر مقامات سے اس حادثۂ فاجعہ کی تصدیق چاہتے تھے، ہم ہر ایک کو یہ افسوس ناک خبر دیتے رہے۔

عشا کی نماز کے بعد باضابطہ عزیز المساجد میں قرآن خوانی اور ایصالِ ثواب کیا گیا، بعد نمازِ فجر اور پھر ۸/ بجے صبح کو بھی قرآن خوانی اور ایصالِ ثواب کیا گیا، یہ خبریں ملک کے مختلف اخبارات میں شائع ہوئیں اور اس شمارے میں بھی چند تعزیتی خبریں شاملِ اشاعت ہیں۔ لگ بھگ ۱۵۰/ طلبہ تو اسی شب غریب نواز ایکس پریس سے نکل گئے، قریب ایک درجن بسیں اور متعدّد فور وہیلر بھی گئیں۔ اساتذۂ اشرفیہ بھی بڑی تعداد میں شریکِ جنازہ ہوئے، خاص طور پر شہزادۂ حضور حافظِ ملت عزیز ملت علامہ شاہ عبد الحفیظ عزیزی سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ اور صدر المدرسین سراج الفقہا حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی صدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ، دو یوم کی جامعہ اشرفیہ میں تعطیل کر دی گئی، ہر طرف غم و اندوہ کا ماحول تھا۔

یہ ایک سچائی ہے کہ کم از کم ہماری نگاہوں نے آج تک کسی کی نمازِ جنازہ میں اتنا کثیر شیدائیوں کا ہجومِ شوق نہیں دیکھا، بلا شبہہ شہزادۂ اعلیٰ حضرت سرکار مفتیِ اعظم ہند قدس سرہ کی نمازِ جنازہ میں کثیر مجمع تھا، اس وقت بھی شیدائیوں کا ایک ریکارڈ تھا، اس کے بعد سے بریلی شریف میں ۲۲/ جولائی کو دلوں کو ہلا دینے والا جو منظر دیکھا اس نے بھی دل و دماغ کو بے پناہ متاثر کیا، یقیناً قاضی القضاۃ فی الہند تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا قادری رضوی ازہری علیہ الرحمۃ والرضوان اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے مقبول ترین ولیِ کامل تھے۔ ان کی زندگی کا لمحہ لمحہ عشقِ رسول ﷺ سے سرشار رہتا تھا، انھوں نے اپنی پوری زندگی درس و تدریس تحقیق اور فتویٰ نویسی، رشد و ہدایت اور دعوت و تبلیغ میں گزاری، ان کا دائرۂ فکر و عمل صرف برصغیر تک ہی محدود نہیں تھا، بلکہ محسوس دنیا کے بیش تر ممالک تک پھیلا ہوا تھا۔ انھیں فخرِ ازہر ایوارڈ بھی ملا اور خانۂ کعبہ کے معزز مہمان ہونے کا شرف بھی حاصل ہوا۔

آپ کی نمازِ جنازہ آپ کے نام ور شہزادے جانشینِ حضور تاج الشریعہ عظیم مرشد و خطیب حضرت مولانا شاہ محمد عسجد رضا رضوی دام ظلہ العالی نے پڑھائی، آپ کی شخصیت میں بھی کثیر اوصاف موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے طفیل مقبولیت و خدمت کے ہفت آسماں طے کرنے کی توفیق عطا فرمائے، بلا شبہہ آپ آج مسلک اعلیٰ حضرت کے سچے داعی اور بلند بانگ ترجمان ہیں۔

تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد برصغیر کے مختلف علاقوں اور کثیر ممالک میں صف ماتم بچھ گئی، آپ کی برکت و کرامت ہے کہ جہانِ اہلِ سنت میں اتحاد کی لہر دوڑ گئی، ترکی، شام، مصر، دبئی، کویت، سعودیہ عربیہ، ساؤتھ افریقہ، ماریشش، لبنان، نیپال، انگلینڈ، ہالینڈ، امریکہ،

انڈونیشیا، پاکستان، بنگلہ دیش، ڈربن، ہرارے، جنوبی کوریا اور تھائی لینڈ وغیرہ ممالک میں عقیدت و احترام سے یاد کیا گیا، یہ ایک طویل فہرست ہے۔ اس وقت ہم بات کریں گے ہندو پاک کی چند خانقاہوں، درس گاہوں اور عظیم تحریکوں کی، خواجہ غریب نواز حضرت خواجہ سید معین الدین حسن سنجری چشتی اجمیری کی مقدس درگاہ، خانقاہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ، خانقاہ غوث العالم مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی کچھوچھوی، خانقاہ قادریہ بدایوں شریف، خانقاہ قادریہ نقش بندیہ حضوریہ سریا شریف، جامعہ اشرفیہ مبارک پور، دار العلوم علیمیہ جمداشاہی ضلع بستی اور دیگر تمام مدارس اہلِ سنت، عالم اسلام کی غیر سیاسی تحریک دعوتِ اسلامی کراچی اور اس کی ہزاروں شاخوں کی، سنی دعوتِ اسلامی ممبئی اور اس کی تمام شاخوں کی۔ اخبارات سے معلوم ہوا کہ آپ کے وصال پر ملال پر دار العلوم دیوبند اور دیوبندکی درس گاہوں اور اس سے متعلق ملک کے دیگر لوگوں کی، حاصل یہ ہے کہ آپ کے وصال کے بعد سے الیکٹرانک ذرائع سے منظوم مناقب بھی سیکڑوں لکھے گئے، اسی طرح کثیر تعداد میں آپ کی کرامات بھی پیش کی جارہی ہیں۔ اس وقت ہمیں یہ شعر یاد آرہا ہے۔

مرے جنازے پہ رونے والو فریب میں ہو بغور دیکھو
مرا نہیں ہوں، غمِ نبی میں لباسِ ہستی بدل گیا ہے

اب اپنے چند مشاہدات:

بریلی شریف ہم سب سے پہلے کب حاضر ہوئے یہ تو ہمیں یاد نہیں، مگر اتنا یقین ہے کہ سرکار مفتی اعظم ہند قدس سرہ العزیز کی نماز جنازہ میں ۱۹۸۱ء میں شرکت کا شرف حاصل ہوا تھا، شاید یہی ہماری اولین حاضری تھی، اس وقت ہم حفظ و قراءت کے بعد اعدادیہ یا اولی میں پڑھتے تھے، اس وقت ہماری معلومات کا دائرہ بھی محدود تھا، ان دنوں سنبھل کے ایک معروف مفتی محمد حسین مناظر اہلِ سنت علیہ الرحمۃ کے بڑے صاحب زادے حضرت علامہ مناظر حسین علیہ الرحمۃ منظر اسلام میں ایک بڑے استاذ کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے تھے۔ ہم چند طلبہ حضرت مفتی ارشاد احمد اشرفی مصباحی کی معیت میں بریلی شریف حاضر ہوئے تھے، حضرت مفتی ارشاد احمد مدظلہ العالی، حضرت علامہ مناظر حسین علیہ الرحمۃ کے تلمیذ تھے، ہم انھیں کے ساتھ حضرت علامہ مناظر حسین کی درس گاہ میں تھے۔ ان کی درس گاہ منظرِ اسلام کی بالائی منزل پر کارنر پر تھی، یعنی خانقاہ اعلیٰ حضرت کے سجادہ نشیں مرشدِ اہلِ سنت حضرت علامہ سبحان رضا رضوی (حضرت سبحانی میاں) دامت برکاتہم القدسیہ کی نشست گاہ کے ٹھیک سامنے۔

ہم نے بہت سے مناظر حضرت کی درس گاہ سے دیکھے، نماز جنازہ میں شرکت کا شرف حاصل کیا اور پھر حضرت کے چہلم شریف میں بھی حاضری کی سعادت حاصل کی، اسی موقع پر شاید حضرت تاج الشریعہ قدس سرہ العزیز کی زیارت کا شرف حاصل ہوا تھا۔ اس کے بعد ہم مسلسل بریلی شریف حاضر ہوتے رہے۔

۱۹۸۵ء میں ہم جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں داخل ہوئے، غور و فکر اور مطالعہ و مشاہدہ کے مزید راستے کھلے۔ مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا میں ہمیں عرس امام احمد رضا محدث بریلوی کے موقع پر اجلاس عام میں باضابطہ اعلان کے بعد خلافت و اجازت سے سرفراز فرمایا۔ اس کے بعد ہمیں باضابطہ خلافت نامہ سے بھی نوازا گیا۔ اسی موقع پر جامعہ اشرفیہ کے استاذ و مفتی حضرت مفتی محمد معراج القادری دامت برکاتہم العالیہ کو بھی خلافت سے سرفراز کیا گیا۔

حضرت تاج الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان ہمیں خوب نوازتے تھے، ایک بار ہم نے اطلاع کرائی کہ فلاں تاریخ میں حاضر بارگاہ ہو کر شرفِ نیاز حاصل کریں گے۔ ہم نے اپنے وطن شاہ آباد ضلع رام پور سے حاضر ہونے میں بالقصد تاخیر کی کہ شاید صبح صبح حضرت سے ملاقات کرنا درست نہیں۔ کچھ تاخیر سے جب ہم نے ہاتھ چوم کر شرفِ نیاز حاصل کیا تو حضرت نے فرمایا: ہم تو صبح ہی سے منتظر تھے، آپ نے تاخیر کر دی، اس وقت ہم نے کیا جواب دیا یہ تو بروقت ہمیں یاد نہیں آرہا ہے، مگر حضرت نے اس وقت بھی بڑی مفید باتیں ارشاد فرمائیں۔ ہم نے اس موقع پر حضور کی خدمت میں عرض کیا، حضور! پڑھنے کے لیے کوئی وظیفہ عنایت فرما دیجیے، حضور نے حسب ذیل درود شریف پڑھنے کا حکم دیا:

اللہ رب محمد صلی علیہ وسلم ☆ نحن عباد محمد صلی علیہ وسلم

کئی بار حضرت نے ہم سے ارشاد فرمایا: اعلیٰ حضرت کے عرس کے موقع پر دو ایک روز قبل آجایا کرو۔ عرس کے موقع پر جامعۃ الرضا کے اسٹیج پر متعدّد بار بیان کرنے کا شرف حاصل کیا اور دو ایک بار مختصر نظامت کرنے کا شرف بھی حاصل کیا اور اسلامیہ انٹر کالج بریلی شریف کے اسٹیج پر تو متعدّد بار بیان کرنے کا نیاز حاصل کیا۔

حضرت تاج الشریعہ علیہ الرحمۃ سے کثیر جلسوں میں شرفِ نیاز حاصل ہوتا رہا، ایک بار مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن، بڑا چاند گنج لکھنؤ میں حضرت تاج الشریعہ کو بڑے اہتمام سے مدعو کیا گیا تھا، ان کے ساتھ ان کے محبین اور معتقدین بھی تھے، جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے سربراہِ اعلیٰ عزیزِ ملت حضرت علامہ شاہ عبدالحفیظ مصباحی دامت برکاتہم العالیہ بھی تھے، بفضلہ تعالیٰ ہمیں بھی بلایا گیا تھا، ہم لوگ جامعہ حنفیہ ضیاء القرآن میں نیچے والے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے، سب موجودہ حضرات نے حضرت سے شرفِ نیاز حاصل کیا، پھر حضرت تاج الشریعہ نے ہمیں اپنے قریب بلایا، حضرت تخت پر جلوہ گر تھے، ہم حضرت سے متّصل فرش پر بیٹھ گئے، حضرت نے فرمایا عرسِ اعلیٰ حضرت کے موقع پر دو ایک روز قبل آجایا کرو، وہاں آپ کی ضرورت ہوتی ہے، اسی کے ساتھ اور بھی بہت کچھ فرمایا، ہم سر جھکائے جی حضور، جی حضور کہتے رہے۔ یہ حضرت کی بے پناہ شفقت تھی جو ہر موقع پر فرماتے تھے اور زبانِ اقدس سے خوب دعائیں دیتے تھے۔

ایک بار ہم کرلا ممبئی میں موجود تھے، وہاں معلوم ہوا کہ حضرت تاج الشریعہ بھی تشریف لائے ہوئے ہیں، حسنِ اتفاق، حضرت جس عقیدت مند کی قیام پر شام کے طعام کے لیے مدعو تھے۔ اسی مجلس میں ہمیں بھی دعوت ملی، خیر وقت پر ہم پہنچے تو حضرت جلوہ گر ہو گئے تھے، ہم نے سلام عرض کیا اور دست بوسی کا شرف حاصل کیا تو حضرت نے ہمیں حکم دیا، آئیے! ہمارے قریب بیٹھ جائیے، حکم کے مطابق ہم داہنی جانب دو زانو مؤدب ہو کر بیٹھ گئے اور بائیں جانب حضرت کے ایک داماد محترم جلوہ گر تھے، بروقت ہمیں ان کا اسم گرامی یاد نہیں آرہا ہے، موجودین میں سے ایک صاحب نے مسکراتے ہوئے اس پر تبصرہ بھی فرمایا، جس پر حضرت بھی اپنی شانِ کریمانہ کے مطابق مسکرائے اور دیگر حضرات نے بھی خاموش تبسم فرمایا۔ اس موقع پر بھی حضرت نے بہت سی باتیں ارشاد فرمائیں اور رخصت ہوتے وقت خوب خوب دعاؤں سے نوازا۔

حضرت تاج الشریعہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور تو مسلسل تشریف لاتے تھے، ہم نے ان کی اعراس کے موقع پر بھی زیارت اور خدمت کی اور فقہی سیمیناروں پر بھی ان سے ملاقاتوں کا شرف حاصل کیا۔ ہم نے بہت سے مواقع پر مسائل پر تکلم فرماتے ہوئے بھی دیکھا، ان کی کچھ باتیں اس وقت بھی ہمارے حافظے میں محفوظ ہیں، مگر اس مختصر تحریر میں ان کی گنجائش نہیں۔ ایک بار ہم اور دیگر حضرات حضور حافظِ ملت کے مزارِ اقدس پر حضور تاج الشریعہ کو فاتحہ پڑھوانے کے لیے لے جا رہے تھے، اس موقع پر حضرت نے دریافت فرمایا تھا کہ جامعہ اشرفیہ کی زمین کتنی ہے؟ ہم نے اس وقت کی زمین کے بارے میں حضرت سے عرض کر دیا۔

ایک بار ہم نے حضور تاج الشریعہ کی زیارت محلہ دیپا سرائے سنبھل میں کی تھی، یہ اجمل العلما حضرت علامہ شاہ مفتی اجمل شاہ علیہ الرحمۃ والرضوان کے عرس کا موقع تھا، اسی سال عرس کے موقع پر "فتاویٰ اجملیہ" کی رسمِ اجرا ہونا تھی، ان فتاویٰ کو بریلی شریف کے نام ور عالمِ دین حضرت علامہ محمد حنیف رضوی دامت برکاتہم العالیہ نے مرتب فرمایا تھا، اس عرس میں اہلِ سنت و جماعت کی متعدّد نام ور شخصیات مدعو تھیں۔ اجمل العلما کے شہزادے حضرت علامہ مفتی محمد اختصاص الدین اجملی علیہ الرحمۃ نے ہمیں بھی مدعو کیا تھا، شب کے اجلاس میں زبردست مجمع تھا، خیر حضرت تاج الشریعہ دامت برکاتہم العالیہ تشریف لائے، یہ کوئی ۱۱ر سے ۱۲ر تک وقت رہا ہوگا۔ حضرت نے "فتاویٰ اجملیہ" کی رسم اجرا فرمائی، اپنے دل کش لہجے میں نعت شریف پیش فرمائی اور کچھ دیر خطاب فرمایا اور حضرت کے خطاب کے بعد اجلاس ختم ہو گیا۔ ہمارا بیان دن میں مدرسہ اجمل العلوم کے قریب ایک مسجد میں ہوا۔ بیان کے بعد دیپا سرائے سنبھل کے ماسٹر معراج احمد مرحوم نے فرمایا تھا کہ مولانا! ایسا بیان ہم نے ۲۰ر یا ۲۵ر سال کے بعد سنا ہے۔ ان کا نام ہم نے اس لیے ذکر کیا کہ وہ سنبھل میں سیاسی اور سماجی طور پر بڑی اہمیت رکھتے تھے۔

ولادت اور تعلیم و تربیت:

حضرت تاج الشریعہ کی ولادت باسعادت ۱۴ر ذی قعدہ ۱۳۶۱ھ / ۲۳ر نومبر ۱۹۴۲ء میں ہوئی [پاس پورٹ کے لحاظ سے یکم فروری ۱۹۴۳ء/ ۲۵ر محرم الحرام ۱۳۶۲ھ ہے] "محمد" نام پر عقیقہ ہوا۔ والدِ گرامی کا نام مفسرِ اعظم حضرت علامہ مفتی محمد ابراہیم رضا جیلانی میاں تھا، اس

لیے آپ کا نام "محمد اسماعیل رضا" رکھا گیا اور عرفی نام "محمد اختر رضا" تھا۔ عرفی نام سے ہی آپ کی شہرت و مقبولیت ہوئی۔ آپ "اختر" تخلص فرماتے تھے۔ آپ امام احمد رضا محدث بریلوی کے حقیقی پر پوتے یعنی محمد اختر رضا بن حضرت مولانا محمد ابراہیم رضا بن حجۃ الاسلام حضرت علامہ حامد رضا بن امام احمد رضا قدس اسرارہم۔ اسی طرح آپ تاج دار اہلِ سنت حضور مفتیِ اعظم ہند کے حقیقی نواسے تھے اور مفتیِ اعظم ہند امام احمد رضا محدث بریلوی کے شہزادے تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضور مفتیِ اعظم ہند کی شہزادی تھیں، پیدائش کے بعد سرکار مفتیِ اعظم ہند نے آپ سے بے پناہ محبت کا اظہار فرمایا اور اپنی مقدس انگلی سے اپنا لعاب دہن آپ کے منہ میں ڈالا اور بہت سی دعاؤں سے سرفراز فرمایا۔

چار سال، چار ماہ، چار دن کی عمر میں والد گرامی نے رسمِ بسم اللہ خوانی کی مجلس کا انعقاد کیا، متعدّد حضرات موجود تھے، سرکار مفتیِ اعظم ہند نے تسمیہ خوانی کرائی اور ڈھیر ساری دعائیں دیں۔ ناظرہ قرآن عظیم والدہ ماجدہ نے خود مکمل کرایا۔ والدہ ماجدہ باضابطہ تعلیم یافتہ تھیں، ان کے چند مضامین ماہ نامہ اعلیٰ حضرت اور ماہ نامہ سنی دنیا بریلی شریف میں بھی شائع ہوئے ہیں۔ والد ماجد قدس سرہ العزیز نے اردو کی چند کتابیں پڑھائیں۔

۱۹۵۲ء میں فضل الرحمٰن اسلامیہ انٹر کالج بریلی میں داخل ہوئے، آٹھویں کلاس تک باضابطہ عصری تعلیم حاصل فرمائی، اس کے بعد دار العلوم منظرِ اسلام بریلی شریف میں داخلہ ہوا۔ اکابر اساتذۂ کرام کی زیرِ تعلیم رہ کر آپ نے اعلیٰ نمبروں سے درس نظامی کی تکمیل فرمائی۔

دار العلوم منظرِ اسلام میں آپ کی طالب علمی کے دور میں عربی ادب کے ذمہ دار استاذ حضرت مولانا عبد التواب مصری خدمات انجام دے رہے تھے، وہ آپ سے بہت محبت فرماتے تھے۔ آپ صبح کو ہر روز اردو، ہندی اور انگریزی کے اخبارات کی اہم خبریں عربی میں سناتے، عہدِ طالب علمی میں یہ آپ کی زبانوں پر دسترس کی ایک جھلک تھی۔

۱۹۶۳ء میں آپ جامع ازہر، قاہرہ مصر تشریف لے گئے، وہاں "کلیۃ اصول الدین" میں آپ کا داخلہ ہوا، اس میں تفسیر و احادیث کا تین سالہ بی. اے. کا کورس مکمل فرمایا۔ وہاں آپ نے جید اساتذہ سے دونوں علوم میں مہارت حاصل فرمائی۔ تحریری امتحانات کے ساتھ معلوماتِ عامہ کا ایک امتحان تقریری ہوا، ممتحن نے ایک سوال علمِ کلام کا کیا، دیگر طلبہ تو جواب دینے سے قاصر رہے، بعد میں ممتحن صاحب نے وہی سوال آپ سے دوہرایا، آپ نے بہت سکون سے عربی میں اس کا جواب دیا۔ جواب سن کر ممتحن نے حیرت کا اظہار کیا اور وہ کہنے لگے کہ آپ نے تو یہاں حدیث و تفسیر کے علوم پڑھے ہیں، ہم نے آپ سے علمِ کلام کا سوال کیا، آپ نے اتنی سنجیدگی سے یہ جواب کیسے دیا؟ آپ نے ارشاد فرمایا: ہم نے علمِ کلام مدرسہ منظرِ اسلام بریلی شریف میں پڑھا تھا، ممتحن نے خوش ہو کر سب سے زیادہ نمبر آپ کو دیے۔ حضرت تاج الشریعہ نے ۱۳۸۶ھ ۱۹۹۶ء میں اپنی تعلیم مکمل فرمائی۔ وہاں اس وقت مصر کے صدر کرنل جمال عبد الناصر نے تمغۂ ایوارڈ اور بی. اے. کی سند پیش کی۔

جب آپ واپسی میں بریلی شریف کے اسٹیشن پہنچنے والے تھے تو مختلف مقامات سے شیدائیوں کا ایک جمِ غفیر موجود تھا، حضور مفتیِ اعظم ہند کے خادمِ خاص الحاج محمد ناصر رضوی بریلوی بھی تھے، وہ کہتے ہیں کہ:

"آپ (حضور تاج الشریعہ) سے ملنے کے لیے حضرت مفتیِ اعظم ہند خود بنفسِ نفیس تشریف لے گئے اور ٹرین کا بے تابانہ انتظار فرماتے رہے، جیسے ہی ٹرین پلیٹ فارم پر آکر رکی، آپ اترے تو سب سے پہلے حضرت (مفتیِ اعظم ہند) نے گلے لگایا، پیشانی چومی اور بہت دعائیں دیں اور فرمایا کہ کچھ لوگ گئے تھے، بدل کر آئے مگر میرے بچے پر جامعہ کی تہذیب کا کچھ اثر نہیں ہوا۔ ماشاء اللہ۔" (حیات تاج الشریعہ، ص: ۲۴)

آپ کے اساتذہ میں سے چند حسب ذیل علمائے کرام اور مشائخ عظام ہیں:

(۱) حضور مفتیِ اعظم ہند علیہ الرحمۃ (۲) حضرت مولانا محمد ابراہیم رضا جیلانی میاں علیہ الرحمۃ (۳) حضرت مفتی سید افضل حسین مونگیری، شیخ الحدیث دار العلوم منظرِ اسلام (۴) محترمہ والدہ ماجدہ نگار فاطمہ عرف سرکار بیگم علیہا الرحمہ (۵) حضرت مولانا حافظ محمد انعام اللہ خاں تسنیم حامدی بریلی (۶) حضرت مولانا شیخ محمد سماحی شیخ الحدیث والتفسیر، جامع ازہر مصر (۷) حضرت مولانا شیخ عبد الغفار، استاذ الحدیث جامع ازہر مصر (۸) حضرت مولانا عبد التواب مصری شیخ الادب منظرِ اسلام، بریلی (۹) صدر العلما حضرت مفتی محمد تحسین رضا خاں علیہ الرحمۃ، بریلی (۱۰) حضرت مولانا محمد احمد جہانگیر اعظمی، استاذ و مفتی منظرِ اسلام، بریلی۔

درس وتدریس:

۱۹۶۷ء میں آپ نے دار العلوم منظر اسلام میں تدریس کا آغاز فرمایا، ۱۹۷۸ء میں آپ صدر المدرسین کی حیثیت سے منتخب ہوئے، منظرِ اسلام کا دار الافتا بھی آپ کے سپرد کیا گیا۔ قریب ۱۹۸۰ء میں اپنی کثیر مصروفیات کی وجہ سے اس ادارے سے مستعفی ہو گئے۔ ۱۹۸۱ء میں حضور مفتی اعظم ہند کا وصال پر ملال ہو گیا، اس کے بعد فتویٰ نویسی اور دیگر مصروفیات مزید بڑھ گئیں۔ آپ نے "مرکزی دار الافتا" بریلی شریف میں قائم فرمایا بفضلہ تعالیٰ مفتیانِ عظام کی ایک ٹیم کی شکل میں یہ آج بھی روز افزوں ہے۔ آپ نے اس کے بعد بھی تدریس و تصنیف، تعریب و ترجمہ اور فتویٰ نویسی کی خدمات مسلسل جاری رکھیں۔

چند سال بعد آپ نے اپنے دولت کدے پر درس قرآن کا سلسلہ جاری فرمایا۔ قرآنی علم و عرفان سے طلبہ اور علما و فضلا نے استفادہ فرمایا، مرکزی دار الافتا میں تربیت یافتگان کو بھی حدیث و فقہ کی منتہی کتابوں کی تدریس کا سلسلہ بھی جاری رہا، نیز ملک اور دیگر ممالک میں بخاری شریف کا افتتاح اور ختم بخاری شریف کے سلسلے جاری رہے۔

فتویٰ نویسی:

حضور مفتی اعظم قدس سرہ العزیز نے ایک بار ارشاد فرمایا: "اختر میاں، اب گھر میں بیٹھنے کا وقت نہیں، یہ لوگ جن کی بھیڑ لگی ہوئی ہے کبھی سکون سے بیٹھنے نہیں دے گی، اب تم [فتویٰ نویسی کے] کام انجام دو، میں [دار الافتا] تمھارے سپرد کرتا ہوں، پھر موجودہ لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر حضور مفتی اعظم ہند نے فرمایا: آپ لوگ اب اختر میاں سلمہٗ سے رجوع کریں، انھیں میرا قائم مقام اور جانشین جانیں۔" (حیاتِ تاج الشریعہ، ص: ۱۷، ۱۸)

حضرت تاج الشریعہ نے سب سے پہلا فتویٰ ۱۹۶۶ء میں تحریر فرمایا، نکاح، طلاق اور میراث کے چند مسائل پر مشتمل، تھا یہ استفتا مدینہ منورہ سے آیا تھا۔ پہلے یہ فتویٰ حضرت مفتی سید افضل حسین مونگیری علیہ الرحمۃ کو دکھایا، انھوں نے خوشی کا اظہار فرمایا اور ارشاد فرمایا: اب حضرت مفتی اعظم ہند کو بھی دکھا دیجیے، حضرت مفتی اعظم ہند نے ملاحظہ فرمایا تو دلائل و براہین سے آراستہ فتویٰ دیکھ کر خوب مسرت کا اظہار فرمایا، اس کے بعد اس رخ سے بھی حضرت نانا جان کی توجہ آپ کی جانب مزید بڑھ گئی۔ فتویٰ نویسی میں حضور مفتی اعظم ہند آپ کے خصوصی مربی ہیں۔ مفتی اعظم ہند کے وصال پر ملال کے بعد حضرت تاج الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان مرجع فتویٰ ہو گئے۔ جہان سنیت میں آپ کے فتاویٰ سند کا درجہ رکھتے ہیں۔

حضرت تاج الشریعہ تین زبانوں میں فتاویٰ تحریر فرماتے تھے، عربی، اردو اور انگریزی میں، انگریزی میں پہلا فتویٰ ۷/ محرم الحرام ۱۴۱۲ھ / ۲۰/ جولائی ۱۹۹۱ء میں تحریر فرمایا، یہ استفتا الحاج ہارون قادری رضوی، لیڈی اسمتھ، ساؤتھ افریقہ نے ارسال کیا تھا، موضوع تھا "دار الاسلام اور دار الحرب میں مسلم و کافر ذمی کا شرعی حکم"۔ ڈربن (ساؤتھ افریقہ) سے آپ کے انگریزی فتاویٰ کے دو مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

مرکزی دار الافتا بریلی شریف میں جو فتاویٰ لکھے جاتے ہیں، آپ اہم مسائل کو سماعت فرما کر ان پر تصدیق بھی فرماتے تھے۔ آپ ازہری گیسٹ ہاؤس کے ہال میں بھی مغرب تا عشاء جلوہ گر ہو کر سوالات کے جوابات دیتے تھے، اسی طرح آپ عام طور پر نمازِ مغرب یا نمازِ عشا کے بعد کسی مسجد میں بیٹھ کر سوالات کے جوابات عنایت فرماتے تھے۔ اسی طرح رات ۹/ بجے سے ساڑھے دس بجے تک دنیا بھر سے آئے ہوئے سوالات کے جوابات بھی عنایت فرماتے تھے۔

اب تک آپ کے فتاویٰ کی پانچ جلدیں مرتب ہو چکی ہیں، نام ہے "المواہب الرضویہ فی الفتاویٰ الازہریہ" المعروف بہ "فتاویٰ تاج الشریعہ"۔

ہم نے حضور تاج الشریعہ قدس سرہ العزیز کی زیارت مجلس شرعی، جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے متعدد سیمیناروں میں کی ہے۔ حضرت بآں فضل و کمال جلوہ گر ہوتے تو لگتا کوئی علم کا تاج دار جلوہ گر ہے، دیگر مفتیانِ کرام بھی بہت غور و فکر کے بعد ہی زبان کھولتے، مجلس شرعی کے فیصل بورڈ کے بھی آپ ہی سب سے بڑے ذمہ دار تھے۔ مزید برآں حضرت تاج الشریعہ نے شرعی کونسل آف انڈیا بھی قائم فرمائی، جس کے اہتمام میں سالانہ جدید فقہی مسائل کے حل کے لیے فقہی سیمینار منعقد ہوتے رہے۔ ان شاء اللہ اس کا سلسلہ آئندہ بھی جاری رہے گا۔

امامت و خطابت:

حضور تاج الشریعہ علم و فضل اور تقویٰ و پرہیزگاری کی بلندیوں پر فائز ہونے کے ساتھ نمازِ باجماعت کے بھی سخت پابند تھے، والد گرامی

حضور جیلانی میاں قدس سرہ العزیز نے آپ کو رضا جامع مسجد کی امامت و خطابت سپرد فرمادی تھی۔ حضرت مفتیِ اعظم ہند بھی آپ کی اقتدا میں نماز ادا فرماتے، اسفار میں بھی حضور آپ ہی کو امامت کا حکم عطا فرماتے، جامع ازہر، مصر سے واپسی کے بعد بھی آپ منظرِ اسلام میں تدریس کے ساتھ رضا جامع مسجد میں امامت فرماتے رہے۔ منظرِ اسلام سے مستعفی ہونے کے بعد آپ چند سال ملک پور متّصل محلہ کسگراں کی ایک مسجد میں امامت کے فرائض انجام دینے لگے، بعد میں اس کا نام ''ازہری مسجد'' رکھا گیا، اس کے بعد پھر رضا جامع مسجد میں امامت کے فرائض انجام دینے لگے۔ کثرتِ مصروفیت اور بیرونی اسفار کی وجہ سے ناغہ ہونے لگا مگر اس کے بعد جب بھی بریلی شریف میں قیام پزیر ہوتے پابندی سے نماز پڑھاتے، خاص طور پر جمعہ کی نماز میں بریلی شریف ہی میں رہنے کی زیادہ کوشش فرماتے تھے۔ اسی طرح اپنے خاندانی بزرگوں کے بعد محلہ باقر گنج میں بریلی شریف کی عید گاہ میں پابندی سے عیدین کی نمازیں پڑھاتے تھے۔

حضور تاج الشریعہ قدس سرہ کے خطابات چار زبانوں میں ہوتے تھے، اردو، عربی، فارسی اور انگریزی، نیز ہندی، میمنی، مراٹھی، گجراتی، پنجابی، بنگالی اور بھوج پوری وغیرہ زبانیں بھی سمجھتے اور بولتے تھے۔

عقد مسنون:

جامع ازہر مصر سے واپسی کے دو سال بعد شعبان المعظم ۱۳۸۸ھ/۳/ نومبر ۱۹۶۸ء میں آپ کا عقد مسنون ہوا، آپ کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے والی محترمہ ''سُلیم فاطمہ'' عرف ''اچھی بی'' بفضلہٖ تعالیٰ بقیدِ حیات ہیں۔ محترمہ حضرت علامہ حسنین رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ کی سب سے چھوٹی دختر نیک اختر ہیں۔ آپ دین وسنیت کی پاس دار اور داخلی اور خارجی مسائل پر گہری نگاہ رکھنے والی ہیں۔ حضرت تاج الشریعہ کے ایک فرزند ارجمند اور پانچ صاحب زادیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو صحت وسلامتی کے ساتھ اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ صاحب زادہ والا تبار جانشینِ تاج الشریعہ حضرت علامہ شاہ محمد عسجد رضا خاں رضوی دام ظلہٗ العالی بڑی خوبیوں کے حامل ہیں۔ آپ دینی اور عصری مسائل پر گہری نگاہ رکھتے ہیں۔ ضلع بریلی شریف کے قاضی ہیں، مرکزی دار القضا کے ناظمِ اعلیٰ ہیں۔ شرعی کونسل آف انڈیا کے ناظمِ اعلیٰ ہیں۔ مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا ایک وسیع اور عظیم مرکزی ادارہ ہے۔ حضور تاج الشریعہ اس کے بانی اور سرپرستِ اعلیٰ تھے، آپ اس کے بھی ناظمِ اعلیٰ ہیں۔ اسی طرح امام احمد رضا ٹرسٹ کے آپ چیئرمین ہیں۔ آپ دینی مسائل پر اہم خطابات فرماتے ہیں۔ اب حضور تاج الشریعہ کے وصالِ پر ملال کے بعد آپ کی ذمہ داریاں مزید بڑھ گئی ہیں، اکابر خانوادۂ رضویہ کے فیوض وبرکات آپ پر پہلے ہی سے ہیں۔ اب آپ پر ان کی نگاہِ کرم مزید بڑھ جائے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

بیعت وخلافت:

اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے ولادت کے وقت ہی سے خوش نصیب ہوتے ہیں۔ حضور تاج الشریعہ بھی نیک سیرت، بلند اخلاق اور زہد وورع میں اپنی مثال آپ تھے۔ عبادت وریاضت اور سنت وشریعت کے سخت پابند تھے، سچی بات یہ ہے کہ آپ کے معمولات دیکھ کر ناظرین شریعت کے عملی مفاہیم سمجھتے تھے۔ آپ اپنوں کے لیے پیار ومحبت کا ساون تھے اور دشمنانِ دین کے لیے شمشیرِ برہنہ۔ آپ کی صورت ہی آپ کے زاہدانہ کردار وعمل کی گواہی دیتی تھی، آپ سے بہت سی کرامات کا صدور بھی ہوا، مگر آپ کی سب سے بڑی کرامت استقامت علی الدین تھی، ایک بندۂ مومن اگر شریعت وطریقت کے مسائل کا پابند ہو جائے تو یہ اس کی سب سے بڑی بزرگی اور تقویٰ شعاری ہے۔ آپ فرائض وواجبات کے ساتھ سنن ونوافل کے بھی سخت پابند تھے اور اس میں سفر وحضر کا کوئی فرق نہیں تھا۔ زمانہ آپ کے چہرۂ انور کی زیارت کرنے کے لیے بے چین ومضطرب رہتا تھا، نہ جانے کون سی طاقت آپ کی آمد سے قبل دلوں کو آپ کی جانب متوجہ کر دیتی تھی کہ آمد سے قبل ہی ہزاروں اور لاکھوں کے مجمعے جمع ہو جاتے تھے۔ یہ چیزیں صرف ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ دیگر ممالک میں بھی ان کی شہرت ومقبولیت کا یہی عالم تھا۔ اب ہم ذیل میں آپ کے مشائخ طریقت کا مختصر ذکر کرتے ہیں۔

حضور مفتیِ اعظم ہند قدس سرہ نے ۸/ شعبان ۱۳۸۱ھ/۱۵/ جنوری ۱۹۶۲ء کو حضرت مولانا ساجد علی خاں بریلوی کو حکم دیا کہ صبح ۸/ بجے گھر پر محفلِ میلاد النبی ﷺ کا انعقاد کیا جائے، اس محفل میں اکابر اہلِ سنت اور عشاقانِ مصطفیٰ ﷺ کا کثیر مجمع جمع ہو گیا۔ منظرِ اسلام کے تمام طلبہ اور

اساتذہ کو بھی مدعو کیا گیا۔ میلاد شریف کے بعد حضور مفتیِ اعظم ہند نے حضرت تاج الشریعہ کو اپنے قریب بلایا، ان کے دونوں ہاتھوں کو اپنے مقدس ہاتھوں میں لیا اور تمام سلاسلِ عالیہ قادریہ، سہروردیہ، چشتیہ نقش بندیہ اور تمام سلاسلِ احادیث بالاولیت کی اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا اور تمام اوراد و وظائف، اعمال و اشغال، دلائل الخیرات، حزب البحر، تعویذات وغیرہ کی اجازت عطا فرمائی۔

۱۵؍ نومبر ۱۹۸۴ء، مارہرہ مطہرہ میں عرسِ قاسمی کی تقریب میں حضرت احسن العلما مرشدِ طریقت حضرت سید حسن میاں قادری برکاتی قدس سرہ نے بڑے محبت بھرے انداز سے حضرت تاج الشریعہ کا تعارف فرمایا اور اس کے بعد ارشاد فرمایا:

”فقیر آستانہ عالیہ قادریہ برکاتیہ نوریہ کے سجادہ کی حیثیت سے قائم مقام مفتیِ اعظم ہند علامہ اختر رضا خاں صاحب کو سلسلہ قادریہ، برکاتیہ، نوریہ کی تمام خلافت و اجازت سے ماذون و مجاز کرتا ہے۔“ اس کے بعد تاج الشریعہ کی دستار بندی فرمائی اور نذر پیش فرمائی۔

دیگر چند مشائخِ طریقت نے بھی جمیع سلاسل کی خلافتوں سے سرفراز فرمایا۔ خاص طور پر والد ماجد حضرت مفسرِ اعظم ہند نے بھی قبلِ فراغت ہی اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا جانشین مقرر فرمایا اور ایک تحریر بھی عنایت فرمائی۔ حضرت تاج الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کے مریدین و اور خلفا دنیا کے متعدّد مقامات میں کروروں کی تعداد میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت تاج الشریعہ کے فیوض و برکات کا سلسلہ اس سے بھی زیادہ جاری فرمائے۔ آمین۔

زیارتِ حرمین شریفین:

حضرت تاج الشریعہ ایک سچے ولیِ کامل اور سچے عاشقِ رسول ﷺ تھے۔ آپ نے اپنی زندگی میں چھ بار حج و زیارت کا شرف حاصل فرمایا اور عمرے تو کثیر فرمائے۔

دوسرا حج و زیارت کا مقدس سفر آپ نے ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۶ء میں فرمایا، اس سفر میں حضرت کی اہلیہ محترمہ دام ظلہا العالی بھی شریک سفر تھیں۔ عرفات سے واپسی کے بعد رات کے وقت مکہ معظمہ میں قیام گاہ سے آپ کو گرفتار کیا گیا، گیارہ دن آپ کو جیل میں رکھا اور مدینہ منورہ کی حاضری کے بغیر آپ کو واپس انڈیا بھیج دیا گیا۔ مکہ معظّمہ میں گرفتاری کی ایک طویل تفصیل ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں۔ حضرت کی گرفتاری پر ہند اور بیرون ہند جہانِ سنیت سراپا احتجاج بن گیا تھا۔ ورلڈ اسلامک مشن نے یورپ میں بھی زبردست احتجاج کیا۔ حضرت نے واپسی پر ممبئی کے عظیم الشان احتجاجی اجلاس میں جو بیان فرمایا اس کا ایک حصہ ذیل میں پیش کرتے ہیں:

”مجھ سے رات میں رسمی گفتگو کے بعد پہلا سوال یہ کیا کہ آپ نے جمعہ کہاں پڑھا؟ میں نے کہا میں مسافر ہوں، میرے اوپر جمعہ فرض نہیں۔ لہٰذا میں نے اپنے گھر میں ظہر پڑھی۔ مجھ سے پوچھا: تم حرم میں نماز نہیں پڑھتے ہو؟ میں نے کہا حرم سے دور رہتا ہوں، حرم میں طواف کے لیے جاتا ہوں۔ اسی لیے میں حرم میں نماز نہیں پڑھ سکتا۔ مجھ سے کہا آپ کیوں اپنے محلہ کی مسجد میں نماز نہیں پڑھتے؟ میں نے کہا کہ بہت سے لوگ ہیں جنھیں میں دیکھتا ہوں کہ وہ محلہ کی مسجد میں نماز نہیں پڑھتے اور بہت سے لوگوں کے متعلق مجھے محسوس ہوتا ہے کہ وہ سرے سے نماز ہی نہیں پڑھتے تو مجھ سے ہی کیوں باز پرس کرتے ہیں؟ مجھ سے پھر بھی اصرار کیا گیا تو میں نے کہا کہ میرے مذہب میں اور آپ لوگوں کے مذہب میں اختلاف ہے، آپ حنبلی کہلاتے ہیں اور میں حنفی ہوں۔ اور حنفی مقتدی کی رعایت غیر حنفی امام اگر نہ کرے تو حنفی کی نماز صحیح نہیں ہوگی اس وجہ سے میں نماز علاحدہ پڑھتا ہوں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی چند کتابیں دیکھ کر جو نعت اور مسائل حج کے متعلق تھیں، پوچھا ان سے تمھارا کیا رشتہ ہے؟ میں نے کہا: وہ میرے دادا تھے۔ اس مختصر سی انکوائری کے بعد مجھے رات گزر جانے کے بعد فجر کے وقت جیل بھیج دیا گیا۔ دس بجے پھر سی آئی ڈی سے گفتگو ہوئی، اس نے مجھ سے پوچھا کہ ہندوستان میں کتنے فرقے ہیں، میں نے شیعہ، قادیانی وغیرہ چند فرقے گنائے اور میں نے واضح کیا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ نے قادیانیوں کا رد کیا ہے اور اس کے رد میں چھ رسالے جزاء اللہ عدوہ، قھر الدیان، السوء العقاب وغیرہ لکھے ہیں۔ ہم پر کچھ لوگ یہ تہمت لگاتے ہیں اور آپ کو یہ بتایا ہے کہ ہم اور قادیانی ایک ہیں، یہ غلط ہے اور وہی لوگ ہمیں بریلوی کہتے ہیں۔ جس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ ”بریلوی“ کسی نئے مذہب کا نام ہے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ ہم ”اہلِ سنت و جماعت“ ہیں۔

مختلف ممالک میں زبردست احتجاجات ہوئے، عالمی تحریکوں کے ذمہ داروں نے سعودی عرب کے ذمہ داروں سے ملاقاتیں کیں اور میمورنڈم پیش کیے۔ ۲۱؍مئی ۱۹۸۷ء/۱۴۰۷ھ کو سعودی سفارت خانہ دہلی سے حضرت کے دولت کدہ پر ایک فون آیا اور خود سفیر سعودیہ برائے ہندوستان مسٹر فواد صادق مفتی نے آپ کو یہ خبر دی کہ حکومت سعودیہ عربیہ نے آپ کو زیارتِ مدینہ منورہ اور عمرہ کے لیے ایک ماہ کا خصوصی ویزا دیا ہے اور ہم آپ سے گذشتہ معاملات میں معذرت خواہ ہیں۔

حضرت ۲۴؍مئی ۱۹۸۷ء/۱۴۰۷ھ کو سعودی فلائیٹ سے وایا جدہ مدینہ منورہ پہنچے۔ سعودی سفارت خانہ نے آپ کی آمد کی اطلاع جدہ اور مدینہ ہوائی اڈوں پر دے دی تھی۔ سعودی سفیر مسٹر فواد صادق نے اس معاملہ میں کافی دل چسپی لی۔ مولانا ازہری عمرہ اور مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہو کر سعودی میں سولہ روز قیام کے بعد وطن واپس آئے۔ دہلی ہوائی اڈہ اور بریلی جنکشن پر ہزاروں عقیدت مندوں اور مریدین نے پر جوش استقبال اور خیر مقدم کیا۔

فتاویٰ، تصانیف اور تراجم:

تاج الشریعہ قدس سرہ العزیز اپنی تمام روحانی اور اخلاقی اقدار کے ساتھ بلند پایہ قلم کار بھی تھے، مختلف موضوعات پر لکھنے میں بھی آپ اپنی ایک منفرد مثال رکھتے تھے۔ اردو، عربی، فارسی اور انگریزی زبانوں میں باضابطہ معیاری فتاویٰ اور مضامین لکھنے کی صلاحیتوں سے آراستہ تھے۔ زبان و بیان، فکر و فن اور فصیح اسلوب بیان رکھتے تھے۔ در اصل ہر موضوع اپنے اندر زورِ بیان کے ساتھ فنی گہرائی کا متقاضی بھی ہوتا ہے، حدیث و تفسیر پر کامل مہارت کے ساتھ آپ فقہی جزئیات پر بھی ہمہ وقت گہری نگاہ رکھتے تھے۔ جدید و قدیم مسائل پر گہری بصیرت کے حامل تھے۔ آپ نثر نگاری کے ساتھ شعر و سخن میں حمد، نعت اور منقبت نگاری میں بھی گراں قدر فنی صلاحیتوں سے لبریز تھے۔ لب و لہجہ کا بانکپن، اسلوب و انداز کی دلکشی، شعری نغمگی ان کے اشعار کی امتیازی خصوصیت ہے۔ ”سفینۂ بخشش“ اور ”نغماتِ اختر“ آپ کو دو مطبوعہ مجموعے ہیں، مزید بر آں غیر مرتب کلام بھی ہیں۔

آپ نے تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، تاریخ و سیر وغیرہ علوم و فنون پر انتہائی وقیع ساٹھ سے زیادہ کتابیں تحریر فرمائی ہیں۔ فتویٰ نویسی اور جدید مسائل فقہیہ کا حل آپ کا خاص موضوع رہا ہے۔ پانچ ضخیم جلدوں پر مشتمل ”المواھب الرضویہ فی الفتاویٰ الازھریہ“ بنام ”فتاویٰ تاج الشریعہ“ باضابطہ مرتب ہو چکی ہے، چند جلدیں چھپ بھی چکی ہیں۔ دیگر موضوعات پر بھی آپ گہری نگاہ اور اپنے موضوعات کے بصیرت افروز حل ہیں۔ خاص بات یہ ہے کہ اردو، عربی اور انگریزی تین زبانوں میں آپ کی کتابیں ہیں۔ ان میں ایک قابلِ ذکر تعداد امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کی کتابوں کے تراجم بھی ہیں جنھیں آپ نے اردو سے عربی میں اور عربی سے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ ترجمہ کرنا کسی کتاب لکھنے کی طرح مشکل ترین فن ہے، اس میں دونوں زبانوں پر یکساں مہارت کی ضرورت ہوتی ہے۔ آپ نے بدمذہبوں کی تردید میں بھی گراں قدر سرمایہ چھوڑا ہے، خانقاہ رضویہ کے مشائخ اور قلم کاروں کا یہ ایک مستقل موضوع ہے، اس پر کسی تبصرے کی ضرورت نہیں۔ آپ نے عصری مسائل پر بھی اپنے قلم کا گراں قدر ذخیرہ چھوڑا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ آپ اردو، عربی اور انگریزی اور فارسی میں لکھنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے تھے، ابھی آپ کا ایک بڑا علمی اور فقہی سرمایہ غیر مرتب ہے۔ اسی طرح کتابوں کے حواشی بھی بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ بخاری شریف پر آپ کی تعلیقات مجلسِ برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے شائع ہو چکے ہیں۔

آخری بات:

قاضی القضاۃ فی الہند حضرت علامہ شاہ محمد اختر رضا قادری ازہری علیہ الرحمۃ والرضوان بڑی خوابیوں کے حامل تھے، وہ اپنے علم و عمل اور تفقہ و تدین میں دور دور تک اپنی مثال آپ تھے۔ وہ اپنے چہرے، بشرے، اندازِ حیات اور سیرت و کردار کی بلندی میں سنیت کی ایک شناخت اور اپنے آبا و اجداد کی زندہ کرامت تھے۔ وہ اب دنیا سے رخصت ہو گئے مگر اپنی خدمات کا وسیع سرمایہ چھوڑ گئے۔ ان کے فیوض و برکات کا ہمہ گیر روحانی اور علمی سلسلہ بھی ان شاء اللہ جاری رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ انھیں جنت الفردوس میں بلند ترین مقام عطا فرمائے، ان کے پس ماندگان کو صبر و شکر کی توفیقِ خیر سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔ ☆☆☆☆

ذبیح کون؟

حضرت اسماعیل یا حضرت اسحاق علیہما السلام

مفتی محمد علی فاروقی

اہل کتاب اوراہل ایماں کے درمیاں صدیوں سے ذبیح کے سلسلہ میں یہ بحث چھڑی ہوئی ہے کہ حضرت ابراہیم نے جسے ذبح کیا تھا وہ کون تھے ؟۔ اہل کتاب خصوصًا یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ وہ حضرت ابراہیم کے دوسرے شہزادے حضرت اسحاق تھے جب کہ مسلمانوں کا کہنا ہے کہ وہ حضرت ابراہیم کے پہلے شہزادے حضرت اسماعیل ہیں ۔

اس جگہ سب سے پہلے میں یہودیوں کے دلائل پر روشنی ڈالوں گا۔

یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ کتاب پیدائش باب ۲۲ میں حضرت اسحاق علیہ السلام کی قربانی کا تزکرہ موجود ہے جسے بنیاد بناکر یہودی ہمیشہ قربانی کو حضرت اسحاق سے جوڑ کرتے ہیں مگر اس جگہ وہ بھول جاتے ہیں کہ کتاب پیدائش کے اس باب میں متعدّد جگہ یہ مذکور ہے جیسا کہ بائبل کتاب پیدائش (۲۲ : ۱۔۲) میں بھی اس کی وضاحت ہے۔

خدانے ابرہام کو آزمایا اور اسے کہا اے ابرہام...... تو اپنے اضحاق (حضرت اسحاق) کو جو تیرا اکلوتا ہے اور جسے تو پیار کرتا ہے ساتھ لے کر موریاہ کے ملک میں جااور وہاں پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر جو میں تجھے بتا= نگا سوختنی قربانی کے طور پر چڑھا۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ جس کی قربانی دی گئی وہ حضرت ابراہیم کے اکلوتے بیٹے تھے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کا اکلوتا بیٹا کون ہے ؟تو اس سلسلہ میں کتاب پیدائش ہی سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت اسحاق سے پہلے حضرت ہاجرہ کے بطن سے ایک فرزند کی پیدائش ہو چکی تھی اس سلسلے میں کتاب پیدائش کی آیت نمبر ۸ اور ۹ میں اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ...

اور وہ لڑکا (اسحاق) بڑھا اور اس کا دودھ چھڑایا گیا اور اسحاق کے دودھ چھڑانے کے دن ابرہام نے بڑی ضیافت کی اور (اسحاق کی والدہ حضرت) سارہ نے دیکھا کہ ہاجرہ مصری کا بیٹا جو اس کے ابراہام سے ہوا تھا۔ ٹھٹھے مارتا ہے۔ کیا کتاب پیدائش کی یہ آیت واضح طور پر نہیں بتا رہی ہے کہ جب حضرت اسحاق کا دودھ چھڑایا گیا اس وقت حضرت ہاجرہ کا بیٹا اسماعیل ٹھٹھے مار رہا تھا جوان کے عمر میں بڑے ہونے کی نشاندہی کر رہی ہے۔ کتاب پیدائش میں ذبیح کو حضرت ابراہیم کا اکلوتا بیٹا کہا گیا ہے۔ آج تک کسی یہودی عالم نے کبھی یہ دعویٰ نہیں پیش کیا کہ حضرت اسحاق اکلوتے بیٹے تھے۔

بائیبل کی شہادت:

اس سلسلے میں بائبل ہی کی یہ تصریح بھی ہمارے مدعا کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔

اورابراہام کی بیوی ساریٰ کے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ اس کی ایک مصری لونڈی تھی جس کا نام ہاجرہ تھا۔ اور ساریٰ نے ابراہام سے کہا کہ دیکھ خداوند نے مجھے تو اولاد سے محروم رکھا ہے سو، تو میری لونڈی کے پاس جا شاید اس سے میرا گھر آباد ہو۔ اورابراہام نے ساریٰ کی بات مانی اور ابراہام کو ملک کنعاں میں رہتے دس برس ہو گئے تھے۔ جب اس کی بیوی ساریٰ نے اپنی مصری لونڈی اسے دی کہ اس کی بیوی بنے اور وہ ہاجرہ کے پاس گیا اور وہ حاملہ ہوئی۔(پیدائش ۱۶: ۱۔۳)

خداوند کے فرشتے نے اسی سے کہا کہ تو حاملہ ہے ۔ تیرے بیٹا پیدا ہوگا۔ اس کا نام اسماعیل رکھنا۔ (۱۶: ۱۱)

جب ابراہام سے ہاجرہ کے اسماعیل پیدا ہوا تب ابراہام چھیاسی برس کا تھا (۱۶:۱۶) اور خداوند نے ابراہام سے کہا ساریٰ جو تیری بیوی ہے...... اس سے بھی ایک بیٹا بخشوں گا...... تو اس کا نام اسحاق رکھنا...... جو اگلے سال اسی وقت معین پر ساریٰ سے پیدا ہوگا...... تب ابراہام اپنے بیٹے اسماعیل کو اور... گھر کے سب مردوں کو لیا اور اسی روز خدا کے حکم کے مطابق ان کا ختنہ کیا۔ ابراہام ننانوے برس کا تھا جب اس کا ختنہ ہوا اور جب اسمٰعیل کا ختنہ ہوا تو وہ تیرہ برس کا تھا۔ (کتاب پیدائش)

اس انجیلی بیانات میں جہاں تضاد بیانی نہایت واضح اور کھلے

مہتمم مدرسہ اصلاح المسلمین و دارالیتامیٰ رائے پور سی۔جی

طور پر محسوس کی جا سکتی ہے وہیں اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ ۱۴ر برس تک حضرت اسماعیل ان کے اکلوتے بیٹے تھے۔

مورخین نے اسی کی وضاحت کی ہے کہ جب حضرت اسماعیل کی ولادت ہوئی اس وقت حضرت ابراہیم عمر کی چھیاسویں (۸۶) منزل طے کر رہے تھے۔ اور جب حضرت سارہؑ نے حضرت اسحاق کو جنم دیا اس وقت حضرت ابراہیم عمر کی سویں منزل پر تھے۔ اس طرح حضرت اسحاق اور حضرت اسماعیل کے درمیان تقریباً چودہ (۱۴) سال کا فرق ہے۔

بائیبل کا بھی یہی کہنا ہے کہ حضرت اسماعیل وقت ذبح تیرہ چودہ سال کے درمیاں تھے۔ اس وقت وہ حضرت ابراہیم کے اکلوتے بیٹے تھے۔

اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ یہودیوں کا حضرت اسماعیل کو ذبیح نہ ماننا خود توراہ کتاب پیدائش کا انکار ہے اور وہ یہ انکار ان کا علم و تحقیق کی بنیاد پر نہیں بلکہ صرف تعصب اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہے۔

اب قرآن پاک پر غور کریں، حضرت ابراہیم کا ذکر قرآن پاک میں ۶۹ جگہ آیا ہے جس میں صرف سورہ البقرہ میں ۱۶ جگہ آپ کا ذکر ہے اس میں ایک جگہ یہ بھی ہے ایک دن مناجات سحر کے وقت حضرت ابراہیم نے نہایت رقت انگیز دعا مانگی۔

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ (سورہ الصّٰفّٰت: ۱۰۰)

پروردگار مجھے ایک نیکو کار بچہ عطا فرما۔

ادھر لب خلیل سے نکلی ہوئی دعا نے باب اجابت پر دستک دی ادھر عالم قدس سے آواز آئی فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾۔ ہم نے انھیں ایک نیکو کار بچے کی بشارت دی۔ یہ واقعہ ملک شام کا ہے۔

نمرودی ظلم و ستم سے نجات پانے کے بعد آپ مصر گئے اور پھر وہاں سے آپ ملک شام واپس آئے اس وقت آپ کی عمر اسّی سے تجاوز کر چکی تھی۔ وہاں آپ نے بارگاہ خداوندی میں عریضہ پیش کیا جو فوراً مقبول ہوا اور آپ کو ایک نیکو کار فرزند کی بشارت سے نوازا گیا۔ جس کی تفصیل سورہ الصّٰفّٰت کی آیت نمبر ۱۰۰ر سے ۱۱۳ر کی درمیان موجود ہے۔

بچہ جوان ہوتا ہے خواب کے ذریعہ قربانی کا حکم ملتا ہے اور پھر آپ نے خدا کی رضا کے لیے وہ قدم اٹھایا جسے سن کر آج بھی قلوب لرز اٹھتے ہیں۔ مگر آپ کی کامیابی و کامرانی کا اس دبدبہ کے ساتھ خدائی اعلان ہوتا ہے کہ قیامت تک آپ کے ذکر خیر کا مژدہ بھی سنایا جاتا ہے اور پھر اسی میں آگے چل کر ایک نئی زندگی کی بشارت بھی ملتی ہے:

وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ (سورہ الصّٰفّٰت: ۱۱۲)

پہلے حضرت اسماعیل کی بشارت ملی تھی اور اب ذبح عظیم کے بعد حضرت اسحاق کی بشارت ملتی ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ قربانی کے وقت حضرت اسحاق کی ولادت بھی نہیں ہوئی تھی۔

ساتھ ہی ساتھ یہ بھی دیکھتے چلیے کہ یہ سارا معاملہ منیٰ میں پیش آیا جو مکہ کے قریب ایک وادی ہے۔ تمام مورخین بھی اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت اسحاق کبھی بھی مکّہ تشریف نہیں لائے۔ ایسی حالت میں انھیں ذبیح کیسے کہا جا سکتا ہے؟۔

حضرت اسحاق کی ولادت کی خوش خبری کے ساتھ اگلی آیت میں برکت کا ذکر ہے:

وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰۤى اِسْحٰقَ. (سورہ الصّٰفّٰت: ۱۱۳)

اور ہم نے برکتیں نازل کیں اس پر اور اسحاق پر۔

یہاں علیہ کی ضمیر کا مرجع وہی ذبیح ہیں۔ علیہ کو جار مجرور ملا کر معطوف علیہ بنایا گیا اور، وعلی اسحاق کو معطوف کیا گیا۔ اہل علم جانتے ہیں کہ معطوف علیہ اور معطوف میں مغائرت ہوتی ہے۔ اس لیے علیہ میں جو ضمیر ہے اس کا مرجع حضرت اسحاق نہیں ہو سکتے اور علی اسحاق میں جس کا ذکر ہے وہ علیہ نہیں ہو سکتا۔ اس نحوی قاعدہ کے مطابق بھی ذبیح علیہ ہے نہ کہ علی اسحاق اور اس علیہ کا مرجع حضرت اسماعیل کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتا ہے۔

نیز قرآن میں اسحاق کی ولادت کا مژدۂ جانفزا سنانے کے ساتھ ان کے بیٹے یعقوب کی بشارت بھی موجود ہے۔

فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿۷۱﴾

(سورہ ھود: ۷۱)

جس سے واضح ہوتا ہے کہ اسحاق صاحب اولاد بھی ہوں گے اور ان کے فرزند کا نام بھی قرآن بتا رہا ہے کہ ان کا نام یعقوب ہوگا۔

یہاں اس پہلو سے بھی غور کریں کہ بنی اسرائیل میں سوختنی قربانی ہوتی تھی۔ اس سلسلے میں کتاب پیدائش کا حوالہ گزر چکا ہے۔ جس

میں حضرت ابراہیم کو خدا نے کوہ موریا میں سوختنی قربانی کا حکم دیا (۱:۲۲۔۲) یعنی جسے آسمانی آگ آکر کھا جاتی تھی۔ اس کے علاوہ بھی بائیبل کے کئی مقامات پر بھی یہ ذکر آیا ہے کہ خدا کے یہاں کسی کی قربانی مقبول ہونے کی نشانی یہ تھی کی غیب سے ایک آگ نمودار ہوتی اور اسے بھسم کر دیتی۔ (قضاۃ ۶:۲۰۔۲۱۔ و۱۹: ۱۳۔۲۰)

بائیبل میں یہ بھی ذکر آتا ہے کہ بعض موقع پر کوئی نبی سوختنی قربانی کرتے تھے تو اس وقت ایک غیبی آگ آکر اسے کھا لیتی تھی۔

(احبار ۹:۲۴۔ ۲ تواریخ۔ ۱:۷۔۲)

قرآن پاک میں بھی اس سلسلے میں سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۸۳ میں اس کا ذکر آیا ہے:

اَلَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ عَھِدَ اِلَیْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰی یَاْتِیَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْکُلُہُ النَّارُ.

جو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ نے ہم کو ہدایت دی کہ ہم کسی کو اس وقت تک رسول نہیں مانیں گے جب تک وہ ہمارے سامنے ایسی قربانی پیش نہ کرے جسے غیب سے آکر آگ نہ کھا جائے۔ ہابیل اور قابیل کے واقعات میں بھی قربانی کے لیے آسمانی آگ کا تذکرہ سورۂ مائدہ آیت نمبر ۲۸ میں ملتا ہے۔

اگر حضرت اسحاق قربان ہوتے تو انھیں ذبح نہیں کیا جاتا بلکہ آسمانی آگ انھیں کھا جاتی یا پھر ان کی جگہ جو دنبہ ذبح ہوا اسے آگ کھا جاتی مگر تاریخ داں جانتے ہیں کہ حضرت اسماعیل کی قربانی پر جو دنبہ ذبح کیا گیا اس کی سینگ خانہ کعبہ میں رسول پاک کے وصال کے بعد تک موجود تھی۔ حضرت عبداللہ ابن زبیر کے وقت جب یزید کے حکم سے حصین بن نمیر سکونی نے ۲۶ محرم ۶۴ھ میں خانہ کعبہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور پھر ۳/ ربیع الاول ۶۴ھ میں خانہ کعبہ پر منجنیقوں سے زبر دست سنگ باری کی۔ اس موقع پر شامی فوجیوں نے آگ کے گولے بھی پھینکے۔ جس سے اس دنبہ کی سینگ بھی جل گئی۔

ایک عربی شاعر نے اس وقت کی جو منظر کشی کی ہے اسے پڑھ کر آج بھی مسلمانوں کے قلوب لرز اٹھتے ہیں اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں۔

نصبو المجانیق علی الکعبۃ ورموھا

حتّٰی بالنار ما مشرق جدار البیت

خطارہ قبل العتیق المزید

نرمی بھاجد ار ان ھذا المسجد

انہوں نے کعبہ میں منجنیقیں نصب کر کے ایسی سنگ باری کی کہ ہر طرف آگ بھڑک اٹھی۔ یہاں تک کہ کعبۃ اللہ کا غلاف اور اس کی دیواریں آگ کے نذر ہو گئیں۔

(تاجدار کربلا و تاریخ خلافت ص ۴۳۲)

اگر یہ قربانی حضرت اسحاق کی ہوتی تو اس سینگ کو یروشلم میں ہونا چاہیے تھا، نہ کہ خانہ کعبہ میں۔

پھر ذبیح اسماعیل کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ صدیوں سے حج کے موقع پر لاکھوں جانوروں کے خون سے منیٰ کی وادی لالہ زار بنتی ہے۔ مسلمان ساری دنیا میں عید قرباں نہایت شان و شوکت سے مناتے ہیں ۔ خطبۂ عید میں حضرت ابراہیم اور حضر اسماعیل کے واقعات بیان کیے جاتے ہیں جب کہ یہودیوں کے یہاں اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں ہے۔ خود سید عالم ﷺ کا یہاں ارشادِ گرامی ساری بحثوں کو اختتام کی منزل پر پہنچا دیتا ہے:

انا ابن ذبیحین۔

میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں (المستدك علی الصحیحین للحاکم)

ایک حضرت اسماعیل علیہ السلام اور دوسرے حضرت عبد اللہ آپ کے والد گرامی۔

اگر حضرت اسحاق ذبیح ہوئے تو حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہما السلام اس سنت کو زندہ رکھتے اور اپنی اولادوں کو اس کی وصیت فرماتے۔ جب کہ ایسا نہیں ہے۔ نہ تو انہوں نے اس سنت کو زندہ رکھنے کا اہتمام فرمایا اور نہ ہی اپنی اولاد کو اس کی وصیت کی۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل ہیں نہ کہ حضرت اسحاق حالانکہ دونوں نبی ہیں اور ہمارا دونوں پر ایمان ہے ہم دونوں کا احترام کرتے ہیں۔

لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ ۔

اس موقع پر اسلامی روایات کا بھی تذکرہ کرتا چلوں۔ ذبیح کے سلسلے میں حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحاق میں کون ذبح ہوئے؟ خود

اہل اسلام میں اس سلسلے میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے مگر جمہور کا فیصلہ حضرت اسماعیل ہی کی طرف ہے مفسرین کرام نے صحابہ کرام اور تابعینِ عظام سے اس سلسلے میں جو روایات تحریر کی ہیں۔ انھیں میں کچھ لوگوں کا خیال حضرت اسحاق کے تعلق سے ہے کہ وہی ذبیح تھے۔ اس گروہ میں حسب ذیل اکابریں شامل ہیں۔

حضرت علی، حضرت عباس بن عبدالمطلب،حضرت عمر، حضرت عبداللہ ابن عباس، حضرت ابوہریرہ، حضرت قتادہ، حضرت عکرمہ، حسن بصری سعید بن جبیر، مجاہد، شعبی، مسروق، مکحول، زید بن اسلم، کعب احبار سدّی، مقاتل، عطا، زہری وغیرہ۔

دوسرا گروہ جو حضرت اسماعیل کو ذبیح مانتا ہے۔ اس میں...

حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابوہریرہ، حضرت معاویہ، حضرت عکرمہ، حضرت عبداللہ ابن عباس، حضرت یوسف بن مہراں، حضرت حسن بصری، محمد بن کعب القرظی، شعبی، حضرت سعید بن المسیب ضحاک، امام محمد باقر، ربیع بن انس اور امام احمد ابن حنبل جیسی ہستیاں شامل ہیں۔

ان دونوں گروہوں کا جب تقابلی مطالعہ کیا جاتا ہے تو کئی کئی بزرگوں کا نام دونوں گروہ میں نظر آتا ہے۔ ایک ہستی سے دو، دو، مختلف اقوال دیکھائی دیں گے۔ جیسے حضرت عبداللہ ابن عباس سے قوم حضرت عکرمہ سے منقول ہے کہ وہ حضرت اسحاق کے ذبیح ہونے کے قائل ہیں۔ مگر انھیں سے جب عطا ابن ابی اباح یہ بات نقل کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں:

زعمت الھیود اسحاق وکذبت الیھود۔

یعنی یہودی اپنے اسے دعویٰ میں کہ ذبیح حضرت اسحاق ہیں جھوٹے ہیں۔

اسی طرح حسن بصری سے بھی اسی طرح کی ایک روایت منقول ہے کہ وہ حضرت اسحاق کے ذبیح ہونے کی طرف مائل تھے۔ مگر وہیں عمر بن عبید کا کہنا ہے کہ حضرت حسن بصری حضرت اسماعیل کے ذبیح ہونے پر کبھی کوئی شک نہیں تھا۔ ان اختلافات کی وجہ سے بعض علمائے اسلام بھی اس کے قائل تھے کہ ذبیح حضرت اسحاق ہیں۔ جب کہ کثیر علمائے کرام کا یہ دعویٰ ہے کہ ذبیح حضرت اسحاق نہیں بلکہ حضرت اسماعیل تھے۔ اور کچھ علما تذبذب کا شکار نظر آتے ہیں۔

مگر ان سارے اقوال کو جمع کیا جائے اور انجیل وقرآن کا تقابلی جائزہ لیا جائے تو سارے دلائل حضرت اسماعیل ہی کے حق میں جاتے ہیں جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔

آخر میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر حضرت اسماعیل کی جگہ حضرت اسحاق کا نام کیسے چل پڑا۔ اس سلسلے میں حضرت اسحاق کے تعلق سے جو بھی قول سامنے آیا وہ سب حضرت کعب احبار سے منقول ہے۔ یہ بزرگ حضرت فاروق اعظم کے دور میں مسلمان ہوئے۔ اور کبھی کبھی یہود و نصاریٰ کی قدیم کتابوں کے واقعات بیان کیا کرتے تھے حضرت فاروق اعظم اسے سنا کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے دوسرے لوگ بھی ان کی باتیں سننے لگے۔ یہ بتانے کی ضروت نہیں کہ یہود و نصاریٰ کی کتابیں اکثر رطب و یابس سے بھری اور زیادہ تر غیر مصدقہ ہوتی ہیں۔

اس سلسلے میں محمد بن کعب قرضی کے اس بیان سے مزید روشنی پڑتی ہے کہ ایک بار امیرالمومنین عمر ابن عبدالعزیز کی بارگاہ میں یہ سوال چھڑ گیا کہ ذبیح کون ہیں۔ اس وقت مجلس میں ایک ایسی ہستی بھی موجود تھی جو پہلے علمائے یہود سے تھے۔ اور بعد میں سچے پکّے مسلمان بن گئے۔ انھوں نے علی الاعلان فرمایا امیرالمومنین خدا کی قسم ذبیح وہ حضرت اسماعیل ہی ہیں اور اس بات کو یہودی بھی اچھی طرح جانتے ہیں۔ مگر عربوں کی حسد کی بنیاد پر وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ذبیح حضرت اسحاق تھے۔ (ابن جریر)

ان ساری باتوں پر نظر ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہود و نصاریٰ سے لے کر علمائے اسلام تک اور تورات و زبور و انجیل سے لے کر قرآن پاک تک سبھی حضرت اسماعیل کو ذبیح مانتے ہیں۔ مگر حسد و نفرت کی بنیاد پر یہودی پروپگنڈے نے مسلمانوں میں اسے پھیلا دیا کہ ذبیح حضرت اسحاق ہیں۔ مسلمانوں کا قلب علمی دنیا میں ہمیشہ نفرت و تعصب سے دور اور پاک رہا ہے۔ اس لیے یہودیوں کی وہ روایات جو وہ قدیم صحیفوں سے تاریخی حوالوں کے بھیس میں وہ پیش کرتے رہے ہیں۔ اسے انھوں نے اپنے غیر متعصّبانہ ذہن کی بنیاد پر علمی حقیقت سمجھ کر لے لیا اور یہاں وہ یہ سمجھ ہی نہیں سکے کہ یہود و نصاری اگر علمی تحقیق آج بھی پیش کرتے ہیں تو اس میں تعصب اور نفرت کا زہر شامل رہتا ہے۔ ☆☆

آپ کے مسائل

مفتیِ اشرفیہ **مفتی محمد نظام الدین رضوی** کی زبانِ فیض ترجمان سے

یہ مسائل ۵/ ذی الحجہ ۱۴۳۸ھ کو سوال و جواب کے ایک اہم سیشن میں طلبۂ اشرفیہ کے ذریعہ پوچھے گئے سوالات کے جوابات ہیں، جسے مولانا محمد عصام الدین برکاتی نے موبائل سے نقل کر کے ادارہ کو ارسال کیا۔ افادیت کے پیشِ نظر اسے اس کالم میں شامل کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

قابلِ احترام اساتذۂ اشرفیہ اور عزیز طلبہ!

بڑی مقدس اور اہم محفل ہے یہ کہ دینی باتوں کے سیکھنے اور سکھانے کے لیے خانۂ خدا "عزیز المساجد" میں منعقد ہوئی، اس طرح کی محفلیں ایک عرصے سے منعقد ہوتی رہتی ہیں مگر ایک حیثیت سے اس محفل کو نمایاں امتیاز حاصل ہے کہ ہمارے سامنے جو مجمع ہے یہ مہمانانِ رسول کا ہے اور پشت پناہی میں علمائے ربانیین کا جو گروہ ہے وہ نائبین رسول کا ہے ایسے مہمانوں اور نائبین کا خالص مجمع کم ملا کرتا ہے اور اتنا عظیم مجمع تو میں سمجھتا ہوں کہ اپنی نوعیت کا پہلی بار ملا ہے، ادھر کئی سالوں سے طلبہ عید الاضحیٰ کی تعطیل کے دو چار روز پہلے سے ہی قربانی کے نئے پرانے مسائل سیکھنے اور سمجھنے کی فکر میں لگ جاتے ہیں، اساتذہ کی درس گاہیں کبھی کبھی سوال و جواب کی بزم میں تبدیل ہو جاتی ہیں اس سال آپ کے ساتھیوں کی رائے ہوئی کہ یکجا طور پر یہ محفل منعقد کر لی جائے تاکہ جس کسی کے دل میں قربانی کے تعلق سے کچھ مسائل ہوں وہ دریافت کرے اور اس طرح ان کو سمجھنے کا مناسب موقع مل جائے۔ میں نہیں جانتا کہ آپ حضرات کے دلوں میں کیا کیا سوالات چھپے ہوئے ہیں جو شرعی حل کے متقاضی ہیں، تاہم آپ انھیں پیش کریں، ہم ان شاء اللہ تعالیٰ کتاب و سنت کی روشنی میں مذہبِ حنفی کے مطابق ان کے جوابات عرض کرنے کی کوشش کریں گے۔

سوال (۱): قربانی کے جانور کو عیب و نقص سے پاک ہونا چاہیے، اس سلسلے میں عرض ہے کہ عیب کس قدر ہو تو قربانی صحیح نہ ہوگی مکمل بے عیب جانور تو کم دست یاب ہوتے ہیں، اس بارے میں احادیث نبویہ سے کیا رہنمائی ملتی ہے اور کتبِ فقہ میں کیا اس تعلق سے کوئی ضابطہ ہے جس کے پیشِ نظر جانوروں کے تعلق سے فیصلہ کرنا آسان ہو۔

جواب: بہتر تو یہی ہے کہ قربانی کا جانور ہر طرح کے عیب و نقص سے پاک، فربہ و خوب صورت ہو، تاہم کچھ معمولی سا عیب ہو تو وہ معاف ہے شریعت کچھ حد تک اسے گوارا کر لیتی ہے لیکن عیب اگر زیادہ ہو تو شریعت اسے گوارا نہیں کرتی اور ایسے جانوروں کی قربانی صحیح نہیں ہوتی اس لیے قابلِ توجہ یہ ہے کہ وہ کون کون سے عیوب یا نقائص ہیں جو شریعت کی نگاہ میں ناقابلِ معافی، یا قابلِ عفو ہیں۔

احادیثِ نبویہ میں کچھ ایسے عیب دار جانوروں کا ذکر ہے جن کی قربانی صحیح نہیں ہوتی، فقہا نے بھی اپنی لسٹ میں ان جانوروں کو شمار کیا ہے اور بعض فقہا نے کہیں کہیں قربانی صحیح نہ ہونے کی علت بھی بیان فرمائی ہے۔ ہم یہاں ان سب کو سامنے رکھ کر تین ضابطے بیان کرتے ہیں جن سے اس نوع کے مسائل بخوبی اجاگر ہو جائیں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

قربانی کے جانوروں میں دو طرح کے اعضا پائے جاتے ہیں:

◆ کچھ اعضا وہ ہیں جو اعضائے مقصودہ سے ہیں۔

◆ اور کچھ اعضا وہ ہیں جو غیر مقصودہ سے ہیں۔

یوں کچھ نہ کچھ فائدہ ان اعضا کا بھی ہے، مگر شرعًا وہ مقصود نہیں

ہیں جیسے سینگ، خُصیے، آلۂ تناسل، مثانہ وغیرہ، یہ اعضائے مقصودہ سے نہیں، سینگ تو زینت اور آرائش وغیرہ کے لیے ہے لہذا سینگ اگر اوپر سے ٹوٹ جائے تو یہ عیب نہیں ہے، گو دیکھنے میں یہ ہلکا پھلکا سا عیب محسوس ہوتا ہے مگر یہ گوارا ہے کیوں کہ، جو عیب نظر آرہا ہے وہ عضو غیر مقصود میں ہے لہذا اس کی قربانی صحیح ہوگی۔ لیکن اگر سینگ سر کے اندر جڑ سے ٹوٹی ہو، گودے سے نکل آئی ہو تو یہ عیب ہے اس لیے نہیں کہ سینگ نکل آئی بلکہ اس لیے کہ سر جانور کے اعضائے مقصودہ میں سے ہے اور اس کے اندر گہرا زخم پیدا ہوگیا اور وہ بھی ایک نہیں دو، دو گہرے زخم پیدا ہوگئے اگر دونوں سینگیں ٹوٹی ہوں، سر کے اندر سے، تو عضو مقصود میں دو دو گہرے زخم پیدا ہوجانے کی وجہ سے اس کی قربانی ناجائز اور نادرست ہے یوں ہی جانور کا آلہ تناسل اور دونوں خصیے بھی اعضائے غیرمقصودہ سے ہیں، یہی حال مثانہ یعنی پیشاب کی تھیلی کا بھی ہے۔

جانوروں سے مقصود دو چیزیں ہوتی ہیں دودھ اور گوشت، ان کے مقاصد عامہ میں یہی دو چیزیں ہیں، کچھ جانور ایسے ہیں جن سے سواری بھی مقصود ہوتی ہے جیسے "اونٹ" اس سے سواری بھی مقصود ہے ،گوشت بھی مقصود ہے اور دودھ بھی مقصود ہے۔ اور چھوٹے جانوروں سے دودھ اور گوشت مقصود ہے ،ان سے سواری نہیں مقصود ہے۔

اس تشریح کے پیش نظر آپ اعضا کے بارے میں فیصلہ کرسکتے ہیں کہ کون سا عضو اعضائے مقصودہ سے ہے اور کون سا غیر مقصودہ سے۔ **سینگ** اس سے نہ گوشت ملتا ہے، نہ دودھ ملتا ہے، نہ اس پر سواری ہوسکتی ہے لہذا عضو غیرمقصود ہے اور اس سے براہ راست یا بالواسطہ کوئی تعاون بھی نہیں ملتا ہے اس لیے بھی یہ عضو غیر مقصود ہے، دونوں **خصیے** اور نر جانور کا آلہ **تناسل** اور **مثانہ** یہ بھی ان تینوں میں سے کسی کام کے نہیں، بلکہ ان کو کھانا مکروہ تحریمی وناجائز ہے، اس لیے یہ عضو مقصود سے نہیں ہیں، دودھ ان سے حاصل نہیں ہوسکتا، سواری ان پر ہو نہیں سکتی اور کھانا ان کا جائز نہیں۔ تو واضح ہوگیا کہ یہ تینوں اعضا بھی اعضائے غیرمقصودہ سے ہیں، لہذا اگر نر جانور کے دونوں خصیے نکال دیے جائیں تو یہ عیب نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اس کا عضو تناسل بھی کاٹ دیا گیا ہو تو یہ عیب نہیں ہے، ایک عضو ہی پورا فوت ہوگیا، بلکہ دو اعضا فوت ہوگئے بلکہ ایک ساتھ تین تین اعضا فوت ہو رہے ہیں مگر شریعت اسے معمولی سا بھی عیب نہیں قرار دیتی ہے کیوں کہ یہ اعضائے مقصودہ سے نہیں ہیں نہ ان کو کھا سکتے ہو، نہ پی سکتے ہو نہ ان پر سواری کرسکتے ہو۔ اس لیے ان کے نہ رہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا ایسے جانور کی قربانی صحیح و درست ہے اس کے برخلاف جو اعضا مقصود ہیں کہ وہ براہ راست کھائے یا پیے جاتے ہیں یا بالواسطہ کھانے پینے یا سواری کے کام آتے ہیں تو ایسے سارے اعضا، اعضائے مقصودہ ہیں۔

دوسرا ضابطہ: اعضائے مقصودہ میں سے اگر کسی عضو کی منفعت بیماری یا عیب کی وجہ سے بالکل فوت ہوجائے، ختم ہوجائے تو اس کی قربانی نہیں ہوگی، مثلا جانور کا ایک پاؤں کٹ کر الگ ہوجائے تو اس کی قربانی نہیں ہوگی کہ یہ سواری کے لیے براہ راست مقصود ہے اور چرنے کے لیے، پانی پینے کے لیے بواسطہ مقصود ہے تو یہ کھانے میں بھی، پینے میں بھی، سواری میں بھی براہ راست یا بالواسطہ مقصود ہے، اس کی منفعت بالکل فوت ہوگئی لہذا ایسے جانور کی قربانی نہیں ہوگی یا فرض کیجئے کہ جانور کے پاؤں میں کوئی ایسی بیماری پیدا ہوگئی کہ اس پاؤں سے وہ چلنے کے لائق نہ رہا یعنی لنگڑا ہوگیا تین پاؤں سے چلتا ہے اور چوتھا پاؤں زمین پر نہیں رکھتا ہے تو اس پاؤں کی منفعت جو مقصود تھی فوت ہوگئی، لہذا اس کی بھی قربانی نہیں ہوگی، کہ عضو مقصود کی منفعت مقصودہ فوت ہوگئی۔ ایک آنکھ پھوٹ جائے تو اس کی قربانی نہیں ہوگی کیوں کہ اس آنکھ کی جو منفعت مقصودہ ہے وہ فوت ہوگئی۔ آنکھ سے اگرچہ براہ راست دودھ نہیں ملتا، کھانا نہیں ملتا، اس پر سواری نہیں ہوسکتی مگر بالواسطہ یہ آنکھ تینوں کے لیے مدد ومعاون ہے۔ جانور اندھا ہوجائے یا پاگل ہوجائے تو اس کی بھی قربانی صحیح نہیں ہے، پاگل ہوگیا تو اس کے دماغ کی منفعت مقصودہ فوت ہوگئی۔ بہرا ہوگیا تو کانوں کی منفعت مقصودہ فوت ہوگئی، اس طرح سے شریعت نے جتنے عیوب گنائے ہیں ان پر ایک ایک کرکے آپ نظر ڈالتے جائیے تو آپ پر ایک ایک بات روز روشن کی طرح عیاں ہوتی جائے گی کہ اس وجہ سے اس کی قربانی ناجائز ہے اور اس وجہ سے جائز ہے۔ اب اس

ضابطہ کی روشنی میں بہارِ شریعت میں اس نوع کے مسائل پڑھ لیجیے، آپ کو سب کچھ سمجھ میں آ جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ کہ اعضائے مقصودہ کے منافعِ مقصودہ فوت ہو رہے ہیں لہذا قربانی نہیں ہوگی۔

تیسرا ضابطہ: کچھ اعضا ایسے ہیں جن میں ایک تہائی سے زیادہ فوت ہوجائے تب بھی شریعت ایسے جانور کی قربانی کو صحیح نہیں مانتی ہے مثلا بکری ہے، بھیڑ ہے ان کے دو تھن ہوتے ہیں ایک تھن کسی بھی وجہ سے خشک ہوگیا، اس سے دودھ نہیں آتا یا پہلے ہی سے پیدائشی طور پر خشک ہے تو اس کی قربانی نہیں ہوگی کہ اس عضو کی جو منفعت مقصودہ ہے وہ ایک تہائی سے زیادہ فوت ہوگئی لہذا اس کی قربانی نہیں ہوگی، یہاں دودھ دونوں تھنوں سے مقصود ہوتا ہے تو ان میں سے ایک کے خشک ہونے سے عیب ایک تہائی سے زیادہ ہوگیا تو وہ عیب کثیر ہے لہٰذا قربانی نہیں ہوگی۔ بڑے جانور جیسے اونٹنی اور بھینس میں چار لر ہوتی ہیں، ان میں ایک لر اگر خشک ہوجائے تو ان کی قربانی صحیح ہوگی، کیوں کہ چار میں ایک تھن کے خشک ہونے سے ایک تہائی سے کم ہی خشک ہوا ہے۔ اور اگر دو لر خشک ہو جائیں یا دو لر فوت ہو جائیں تو اس کی قربانی نہیں ہوگی کیوں کہ دو لر خشک ہونے سے ایک تہائی سے زیادہ منفعت فوت ہوگئی۔

میرے عزیز طلبہ! اگر یہ بات آپ نے سمجھ لی ہے تو آپ اطمینان رکھیں کہ قربانی کے جانوروں کے عیوب ونقائص کے تعلق سے اب آپ بہار شریعت، عالمگیری، شامی، شرح وقایہ، فتاویٰ قاضی خاں، وغیرہ کے مباحث پڑھیں گے، تو ان شاء اللہ آپ پر ہر چیز عیاں ہوتی چلی جائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال(۲): کان اور دُم اعضاے مقصودہ سے ہیں یا نہیں؟

جواب: کان اور دُم دونوں اعضاے مقصودہ سے ہیں کہ شرعًا ان کا کھانا حلال ہے — کان کی جو ہیئت اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے وہ سننے کے لیے ضروری ہے اس ہیئت پر نہ ہو تو کان صحیح طور پر نہ آوازوں کو سنے، اور نہ ہی مخلوط آوازوں میں امتیاز کر سکے، جانور سنتا ہے اپنے مالک کی آواز پر دوڑا ہوا چلا آتا ہے، اور کسی دشمن جانور کی آواز کو سنتا ہے تو بھاگ جاتا ہے اپنے آپ کو بچا لیتا ہے، اس کا مالک بلاتا ہے تو اسے چارہ کھلائے گا، اس کی خدمت کرے گا، اس کی حفاظت کرے گا، اور کوئی دشمن جانور اس کو آواز دیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس پر حملہ آور ہوگا اور اس کو نیست ونابود کردے گا، تو ایک آواز اس کو نیست ونابود کرنے کے لیے ہوتی ہے جس کو وہ اپنے کانوں سے سنتا ہے اگر وہ نہ سنے تو تباہ ہوجائے گا اور تینوں مقاصد میں سے کسی مقصد کے لائق نہ رہے گا اور سنے گا تو اپنے کو اس سے بچا لے گا اور اس طرح وہ تینوں مقاصد کے لائق رہے گا اس لحاظ سے کان بالواسطہ منافع مقصودہ سے ہے اور اسے کھانا حلال ہے۔۔ دُم کی ساخت پر نظر ڈالیے تو وہ ریڑھ کی ہڈی سے مربوط معلوم ہوتی ہے اور ریڑھ کی ہڈی سواری کے لیے ناگزیر ہے اور یہ ہڈی یوں بھی جانور کی صحت کے لیے لازم ہے اور بڑے جانوروں میں یہ دُم موذی کیڑے مکوڑوں سے حفاظت کا آلہ ہے تو دُم بعض جانوروں میں بالواسطہ اور بعض میں براہ راست عضو مقصود ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال(۳): سیلاب زدگان پر قربانی واجب ہوگی کہ نہیں؟ جب کہ ان لوگوں کے پاس اس وقت سوائے زمین کے کچھ نہیں ہے، وہ قرض بھی نہیں لے سکتے؟

جواب: جو لوگ ایسے مفلوک الحال ہوگئے ہوں، کہ ان کے پاس روپے پیسے نہیں رہ گئے، بس پانی میں ڈوبی ہوئی زمینیں ہیں اور کچھ نہیں ہے تو ان کے اوپر قربانی واجب نہیں ہے، وہ کسی بھی طور پر اپنی زندگی گزاریں اور لوگوں سے ہوسکے تو ان کا تعاون کریں، ان پر قربانی واجب نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال(۴): اگر چند لوگ کماتے ہیں اور پیسے گھر کے منتظم و ذمہ دار کے پاس جمع ہوتے ہیں لیکن اتنا مال ہے کہ اگر تقسیم کیا جائے تو سب مالک نصاب ہوجائیں گے تو کیا سب پر قربانی واجب ہے؟ یا صرف ذمہ دار پر؟ اور اگر کل مال ایک نصاب ہو تو کیا حکم ہے؟

جواب: اگر اس کی صورت یہ ہو کہ مورث مثلا والد کی وفات کے بعد جو ورثہ ہیں ایک ساتھ رہتے اور کماتے کھاتے ہیں اور مورث مثلا باپ کا ترکہ، چھوڑا ہوا مال اتنا زیادہ ہے کہ ان میں تقسیم کردیا جائے تو جتنے وارثین ہیں سب کے سب مالک نصاب ہوجائیں تو اس صورت میں سارے وارثین پر قربانی واجب و لازم ہے ہر ایک اپنی اپنی طرف سے قربانی کرے اور اگر سارا ترکہ مل کر مثلاً صرف

ایک نصاب کو پہنچتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر دو بھائیوں میں تقسیم کیا جائے تو کوئی مالک نصاب نہ ہوگا اور چار بھائی بہن ہوں تو پھر اور زیادہ مفلوک الحال ہو جائیں گے، تو اس صورت میں ان میں سے کسی پر بھی قربانی واجب نہیں ہے وہ بہتر سمجھیں تو اپنے ذمہ دار کی طرف سے ایک قربانی کر دیں، یا اپنے والد یا والدہ طرف سے ایک قربانی کر دیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال (۵): گوشت کی تقسیم کس طرح ہوگی؟ کیا ہر ہر عضو سے سب کو دیا جائے یا مجموعی طور پر تقسیم کر دیا جائے نیز پاؤں اور سر کس طرح تقسیم کیا جائے؟

جواب: تقسیم کا ایک طریقہ تو یہی ہے کہ سات یا سات سے کم جتنے بھی لوگ ایک بڑے جانور میں شریک ہوں اتنے حصوں میں گوشت اور دوسرے اعضا برابر، برابر تقسیم کر کے ایک ایک حصہ ہر ایک کو دے دیا جائے، یہی فقہا نے لکھا ہے اور یہی حکم شریعت ہے لہٰذا تقسیم اسی کے مطابق ہونی چاہیے۔

سوال (۶): کیا وزن کیے بغیر تقسیم کا کوئی حیلہ ہے؟

جواب: ہاں، وزن کے بغیر بھی تقسیم کرنے کی صورت ہے، وہ صورت یہ ہے کہ گوشت کو اندازے سے سات جگہوں میں تقسیم کر دیا جائے اور چاروں پایوں کو توڑ کر کے سات حصے کیے جائیں اور ساتوں حصوں میں سے ہر ایک میں پایے کا ایک ایک حصہ بھی رکھ دیا جائے تو ہر ایک کا گوشت دوسرے کے پاؤں کے بدلے میں ہو جائے گا اور ہر ایک کے حصے کا پاؤں دوسرے کے گوشت کے بدلے میں ہو جائے گا اس طرح گوشت کا تبادلہ پایے سے اور پایے کا تبادلہ گوشت سے ہوگا بلفظ دیگر جنس کی بیع غیر جنس کے بدلے میں ہوگی اور ایسی بیع میں کمی بیشی جائز ہے۔ ایسے ہی کلیجی کو بھی یوں ہی تقسیم کر دیا جائے، پھیپھڑے کو بھی یوں ہی تقسیم کر دیا جائے، سر توڑ کر اس میں جو مغز ہوتا ہے اس کو بھی سات حصوں میں تقسیم کر دیا جائے، مغز یہ گوشت نہیں ہے، یوں ہی پھیپھڑا بھی گوشت نہیں ہے پایا بھی گوشت نہیں ہے بلکہ کلیجی اور چربی بھی گوشت نہیں ہے، تو ان میں سے ہر ایک ساتوں کے حصے میں تھوڑا تھوڑا رکھ دیا جائے گا بلکہ ایک اندازے سے برابر، برابر رکھ دیا جائے گا تو تقسیم بغیر وزن کے درست ہوگی۔

فقہاے کرام نے حصوں کی تقسیم میں وزن اس لیے لازم کیا ہے کہ پورے جانور کے ایک ایک عضو اور ہر عضو کے ہر جز میں ساتوں حصہ دار غیر معین طور پر برابر کے شریک و مالک ہیں تو معین طور پر سات حصے کر کے ہر ایک کا ایک ایک حصہ لینا گویا اپنی ملک کو دوسرے کی ملک سے بیچنا و بدلنا ہے جو "بیع" ہے اور گوشت کی بیع گوشت کے بدلے میں ہو تو ضروری ہے کہ دونوں عوض برابر، برابر ہوں، ان میں کمی، بیشی کا کوئی شبہہ نہ ہو اس لیے وزن لازمی ہوا۔ اگر کوئی بھی حصہ کچھ کم ہو اور دوسرا زیادہ، تو شریعت کی زبان میں "زیادہ" کو ربا و سود کہیں گے جو حرام و گناہ ہے۔ ہاں اگر گوشت کی بیع اس کی جنس کے گوشت سے نہ ہو، بلکہ دوسری جنس مثلاً پائے، چربی وغیرہ سے ہو تو اب کمی بیشی جائز ہے اور چربی وغیرہ گوشت کی جنس سے نہیں ہیں اس لیے جب ہر حصے میں پائے اور چربی وغیرہ رکھ دیں گے تو گوشت کا زاید حصہ از خود چربی و پائے کے مقابل ہوگا، اس طرح یہ جنس کی بیع غیر جنس کے بدلے میں ہوگی اور جب جنس کی بیع غیر جنس کے بدلے میں ہو تو اگرچہ کھلی ہوئی کمی بیشی ہو بیع جائز ہوتی ہے اور معمولی کمی بیشی ہو یا صرف کمی بیشی کا احتمال ہو تو بدرجہ اولیٰ جائز ہوگی تو یہ صورت وہ ہے جو بغیر وزن کے اختیار کی جا سکتی ہے مگر اس کے لیے لازم ہے کہ ہر حصے میں پاؤں توڑ، توڑ کے رکھ دیا جائے یا کلیجی رکھ دی جائے یا گردہ رکھ دیا جائے یا پھیپھڑا رکھ دیا جائے یعنی جو چیزیں گوشت کے علاوہ سے ہوں ان کو یا ان میں سے بعض کو شامل کر دیا جائے تو تقسیم اندازے سے بھی جائز ہوگی اور وزن کرنا لازم و ضروری نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال (۷): اگر کسی ایک حصے میں پایہ رکھ دیا جائے اور دوسرے حصے میں کلیجی رکھ دی جائے تو؟

جواب: یہ بھی جائز ہے قربانی کے شرکا میں کچھ علما ہوں تو ان کی رہنمائی میں اس پر عمل ہو سکتا ہے اور اگر شرکا میں سب عوام الناس ہوں تو انھیں یہ بتایا جائے کہ پائے، چربی اور پھیپھڑے وغیرہ سب کے حصے ساتوں حصوں میں شامل کر دیں۔ اصل مقصود ہے بیعُ الجنس بغیر الجنس، تو بیعُ الجنس بغیر الجنس جن صورتوں میں متحقق ہوگی وہ تمام صورتیں جائز ہوں گی۔

اگر ساتوں حصوں میں پیر نہ رکھے جائیں کچھ حصوں میں پیر رکھ دیئے جائیں اور کچھ حصوں میں بھیجا رکھ دیا جائے، کچھ حصوں میں پھیپھڑا رکھ دیا جائے تو یہ صورت بھی جائز ہے، کوئی حرج نہیں ہے، کیوں کہ شریعت کا مقصود یہ ہے کہ جنس کی بیع غیر جنس کے بدلے میں ہو، تو اس کی جتنی بھی صورتیں ہوں گی وہ سب جائز و درست ہوں گی۔

یہاں پر دو جنس کی کئی چیزیں ہیں، گوشت یہ الگ جنس ہے، پھیپھڑا یہ الگ جنس ہے اور پایہ یہ الگ جنس ہے، سر کا مغز الگ جنس ہے، تو یہ مختلف اجناس ہیں اور مختلف اجناس کو مختلف حصوں میں رکھ دیا جائے تو کھلے طور پر سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ ایک جنس کی بیع دوسری جنس کے بدلے میں ہوگی لہذا یہ تقسیم جائز ہوگی اور تقسیم صرف گوشت کی ہو تو "گوشت کے بدلے میں گوشت کی بیع" ہوگی، یعنی جنس کی بیع جنس کے بدلے میں ہوگی، اور یہاں پر قدر اور جنس دونوں کا اجتماع ایک ساتھ ہوگا اور وہ بھی احتمال فضل کے ساتھ۔ لہذا یہ بیع ناجائز ہوگی کیوں کہ یہاں سود کا احتمال ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت عمر فاروق ﷛ نے فرمایا: دعوا الربوٰ والرِّیبۃ ربا کو بھی چھوڑ دو اور شبہہ ربا کو بھی چھوڑ دو۔ اس لیے یہ ناجائز ہے اور جب غیر جنس کو ملا دیں گے تو یہ بیعُ الجنس بغیر الجنس ہو جائے گی یہ مسئلہ ہدایہ اخیرین پڑھنے والے طلبہ کے لیے زیادہ مناسب ہے وہ اس کو بہتر سمجھیں گے اور ان سے نیچے درجے کے جو طلبہ ہیں ان کے لیے ذرا مشکل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال (۸) حضرت ایک بار اس مسئلے کو پھر بیان فرما دیں:

جواب: حلال جانوروں کے جو اعضا کھائے جاتے ہیں وہ دو طرح کے ہیں:

ایک: گوشت، دوسرے: گوشت کے علاوہ وہ دوسری چیزیں، جیسے چربی، پائے، کلیجی، پھیپھڑے سر، سر کا مغز وغیرہ۔ ان چیزوں کا نام و کام سب گوشت کے علاوہ ہے، آپ کسی کو گوشت لانے کے لیے روپے دیں اور وہ چربی یا پائے وغیرہ خرید کر لے آئے تو سب کہیں گے کہ وہ بے وقوف یا نافرمان ہے کہ مطلقا گوشت بول کر یہ چیزیں مراد نہیں لی جاتیں تو فقہ کی زبان میں گوشت کی جنس الگ ہوئی اور چربی، پائے وغیرہ کی جنس الگ ہوئی۔

اب اگر ساتوں حصہ داروں کے درمیان صرف گوشت کی تقسیم ہو تو تول کر برابر، برابر بانٹنا ضروری ہے، یوں ہی تنہا تنہا، الگ الگ چربی کی تقسیم ہو، کلیجی کی تقسیم ہو، پائے توڑ کر اس کی تقسیم ہو تو تول کر برابر، برابر کرنا ضروری ہے۔ فقہاے کرام نے فقہ کی کتابوں میں اس صورت کا حکم بہت واضح الفاظ میں بیان کیا ہے۔

اور اگر تنہا گوشت کی تقسیم نہ ہو بلکہ گوشت کے ہر حصے کے ساتھ پائے توڑ کر رکھ دیے جائیں یا چربی یا پھیپھڑے وغیرہ بھی رکھ دیے جائیں تو اس صورت میں برابر، برابر تولنا ضروری نہیں، بلکہ یہ بھی جائز ہے کہ برابری کا اندازہ کر کے تقسیم کر دیا جائے۔

یہاں تک تو آپ سب نے ماشاء اللہ سمجھ لیا، اس کے بعد ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر تنہا گوشت کی تقسیم ہو یا تنہا پائے یا چربی وغیرہ کی تقسیم ہو تو وزن کر کے برابر، برابر تقسیم کرنا کیوں ضروری ہے اور گوشت کے ساتھ ہر حصے میں چربی، یا پائے یا پھیپھڑا وغیرہ بھی رکھ دیا جائے تو بغیر وزن کیے اندازے سے ہی تقسیم کر دینا کیوں جائز ہے؟

اس کا جواب منتہی طلبہ اور علما بہتر سمجھ سکتے ہیں ابتدائی درجات کے طلبہ کی فہم سے وہ کچھ بالا تر ہے اسی وجہ سے یہ سوال بھی پیدا ہوا۔ مختصراً عرض ہے کہ گوشت، گوشت ایک جنس ہے اور وزنی ہے اس کی تقسیم فقہی نقطہ نظر سے بیع کے حکم میں ہے اور ایسی چیز جب بیع کی جائے تو وزن سے ہر عوض اور ہر حصے کا برابر ہونا لازمی ہے۔ حضور سید عالم ﷺ کا فرمان ہے: "مِثلاً بِمِثلٍ" "برابر برابر ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال (۹): بعض جگہوں پر ایسا ہوتا ہے کہ سات حصے نہیں کرتے، بلکہ پہلے تین حصے کرتے ہیں ایک حصہ فقیروں کو دیدیتے ہیں اب جو دو حصہ بچتا ہے اس کا سات حصہ کرتے ہیں؟

جواب: یہ بھی جائز و درست ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ حصہ داروں میں سب کو گوشت برابر، برابر تقسیم ہوتا ہے، ایسا نہیں ہے کہ کسی کو کم ملے اور کسی کو زیادہ۔ لہٰذا اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال (۱۰): پاؤں وغیرہ کاٹ کر کے سات حصے بنائیں گے تو کیا وہ تول کر کے ہر ایک حصے میں شامل کیا جائے گا یا اندازے سے تمام حصوں میں ڈالا جائے گا؟

جواب: اندازے سے گوشت کے ہر حصے میں اسے رکھ دینا

کافی ہوگا، اس کے لیے اسے تولنے کی قطعی حاجت نہیں، ہاں اگروہ باہم تنہا پاؤں کی تقسیم ایک ساتھ کریں تو پھر اس کو بھی وزن کرنا پڑے گا، کیوں کہ چاروں پاؤں ایک جنس کے ہیں۔ تو مساوات ضروری ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال (۱۱): ایک شخص مالک نصاب نہیں، اس نے ایک بکرا خریدا، اور خریدنے کے بعد یوم النحر (دسویں ذی الحجہ) آنے سے کچھ پہلے ہی بیمار ہوگیا اور اتنا زیادہ بیمار ہوگیا کہ ماہر ڈاکٹر نے اپنے تجربہ سے یہ بتا دیا کہ بقرعید آنے سے پہلے ہی مرجائے گا، اب وہ ذبح کرکے کھالے، یا یہ کہ یوم النحر کا انتظار کرے اور جانور زندہ رہ جائے تو اس کی قربانی کرے؟

جواب: ظن غالب اگر یہ ہے کہ وہ مرجائے گا۔ واضح ہو کہ ظن غالب یقین کے درجے میں ہوتا ہے۔ تو اسے وہ ذبح کردے اور اس کا گوشت غریبوں، محتاجوں میں صدقہ کردے۔ اپنے تصرف میں نہ لائے اور اس کے بدلے میں اس پر دوسری قربانی واجب نہیں کہ وہ فقیر ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال (۱۲): اور اگر مالک نصاب شخص کا جانور ایسا ہی بیمار ہوجائے کہ قربانی کا دن آنے سے پہلے اس کے مرجانے کا گمان غالب ہو اس لیے وہ ذبح کردے تو اس کے گوشت کا کیا حکم ہے؟

جواب: غنی و مالک نصاب کو بھی صدقہ کا ہی حکم ہونا چاہئے کہ یہاں بھی قربت کے لیے جانور کی تعیین ہوجاتی ہے کیوں کہ فقہی جزئیات سے یہ ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ مالک نصاب نے اگر کسی جانور کو قربانی کی نیت سے خریدا تو جانور قربانی کے لیے اس حد تک معین ہوجاتا ہے کہ اس پر وہ سواری نہیں کرسکتا اور وہ جانور دودھ والا ہے تو اس کا دودھ نکال کر اپنے استعمال میں نہیں لاسکتا، بلکہ اس کو صدقہ کرے گا اور اگر وہ جانور اون والا ہے تو اس کا اون کاٹ کر صدقہ کرے گا، اس کو اپنے استعمال میں نہیں لائے گا، یا اونٹ ہے کرایہ پر دے دیا تو کرایہ کو صدقہ کرے گا۔ کرایہ کو اپنے استعمال میں نہیں لائے گا، اس حد تک اس کا بھی تعین ہوجاتا ہے اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ اس کا بھی گوشت صدقہ ہی کیا جائے گا البتہ اس پر قربانی کے دنوں میں دوسرے جانور کی قربانی لازم ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال (۱۳): قربانی کے شرکا میں سے کسی ایک نے خاص مال حرام کے ذریعہ شرکت کی، تو اس کی وجہ سے باقی شرکا کی قربانی پر کیا اثر پڑے گا، کیا کسی کی قربانی نہ ہوگی، یا شرعاً کچھ گنجائش ہے؟

جواب: مال حرام کمانا حرام ہے اور اسے اپنے دنیوی یا دینی کام میں استعمال کرنا بھی حرام، اور ایسے شخص پر لازم ہے کہ جس سے مال حرام ناحق لیا ہے اسے واپس کردے، وہ نہ ہو تو اس کے وارثین کو دے، آج نہیں دے گا تو کل قیامت کے دن اس کے بدلے میں اس کی نیکیاں صاحب حق کو دے دی جائیں گی، ان سب کے باوجود اگر کسی ناخدا ترس نے ایسے مال حرام کے ذریعہ قربانی میں شرکت کرلی تو واجب ادا ہوجائے گا اور قربانی سب کی صحیح ہوگی، کیوں کہ مال حرام کی نحوست اور اس کی نجاست جانوروں میں سرایت نہیں کرتی، اس کے لیے فقہا نے **ایک ضابطہ** بتایا ہے کہ [خریدتے وقت نقد و عقد دونوں جمع ہوجائیں تو مال کی خباثت خریدے ہوئے سامان میں سرایت کرتی ہے اور سامان بھی خبیث اور ناپاک ہوجاتا ہے اور اگر مالِ حرام پر عقد و نقد دونوں نہ جمع ہوں، بلکہ صرف مالِ حرام پر عقد ہو یا مالِ حرام کو صرف نقد میں ادا کرے تو اس کی نجاست و خباثت خریدے ہوئے مال میں اثر نہیں کرتی]۔ عقد و نقد کے جمع ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ مثلاً کہا: یہ دو ہزار کا نوٹ ہے اور وہ حرام نوٹ تھا، کسی سے چھین کر لایا تھا اسے دکھا کر کہا کہ "اس دو ہزار کے نوٹ کے بدلے میں میں نے آپ سے یہ بکری خریدی" بیچنے والے نے اسے منظور کرلیا تو عقد ہوا مالِ حرام پر، پھر اس نے یہی مال حرام نقد میں بھی دے دیا، تو خریداری میں عقد و نقد دونوں جمع ہوگئے مال حرام پر، اور جب عقد و نقد دونوں مالِ حرام پر، جمع ہوجائیں تو اس کی نجاست و خباثت خریدے ہوئے مال میں بھی اثر کرجاتی ہے۔

لیکن آج کل خریداری کا جو طریقہ ہے اس میں نقد و عقد ایک ساتھ جمع نہیں ہوتے کیوں کہ کوئی روپیہ دکھا کر یہ نہیں کہتا ہے کہ یہ جو میرے ہاتھ میں روپیہ ہے اس کے بدلے میں میں نے تم سے یہ جانور خریدا، ایسا کوئی نہیں کہتا، سامان خرید لیتا ہے، جیب میں سے روپیہ نکال کر دے دیتا ہے، اس طرح نقد تو پایا جاسکتا ہے مالِ حرام پر، لیکن عقد نہیں پایا جاتا مال حرام پر۔ اور جب صرف نقد پایا جائے مال حرام پر،

عقد نہ پایا جائے تو اس کی خباثت خاص اسی مال تک محدود رہتی ہے، خریدے ہوئے مال میں نہیں پہنچتی۔ لہذا قربانی کا جانور آج کے عرف کے پیش نظر طیب وحلال ہے اس کی قربانی صحیح ودرست ہے تو سارے شرکا کی طرف سے بھی قربانی صحیح ودرست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال (۱۴): ایک شخص کا اپنا بڑا جانور ہے وہ چاہتا ہے کہ اس میں ایک حصہ خود اپنے پاس رکھ لے، باقی حصے دوسروں کو بیچ دے، تو اس کی صورت کیا ہوگی، کیا ایسا کرنا جائز اور قربانی درست ہے؟

جواب: یہ مسئلہ تفصیل طلب ہے۔

جو جانور اس نے اپنے پاس رکھا ہے ● اس کا اپنا پالا ہوا جانور ہے ● یا خریدا ہوا؟

جانور خریدا ہوا ہے تو ● اس نے بس یوں ہی خرید لیا کہ کبھی ہمارے کام آئے گا ● یا خاص قربانی کی نیت سے خریدا ہے ● پھر اس کو فقیر نے خریدا ہے یا ● امیر نے؟ اس تفصیل کی بنا پر اس کے احکام بھی الگ الگ ہیں جو اس طرح ہیں:

☆ فقیر نے اگر کوئی جانور خریدا تو وہ جانور چھوٹا ہو یا بڑا، قربانی کی نیت سے اگر اس نے خریدا ہے تو اس میں دوسرے کو کبھی بھی، کسی حال میں شریک نہیں کرسکتا، اس پر واجب ہے کہ تنہا اپنی طرف سے اس جانور کی قربانی کرے چھوٹا جانور ہو تو بھی اور بڑا جانور ہو تو بھی۔ دوسرے کو شریک نہیں کرسکتا۔

☆ اور اگر خریدنے والا امیر ہے، مالک نصاب ہے، اس نے پالنے کی نیت سے جانور کو خریدا ہے، قربانی کی نیت سے جانور کو معین نہیں کیا ہے تو اس کو یہ اختیار ہے کہ چاہے تو اپنی طرف سے پورے جانور کی قربانی کرے یا اپنی اولاد اور رشتہ داروں کو بھی اس میں شریک کرے۔

☆ اور اگر مالک نصاب نے قربانی کا بڑا جانور قربانی کی نیت سے خریدا، تو یہ جانور کئی حیثیتوں سے قربانی کے لیے متعیّن ہو جاتا ہے اور وہی جانور متعیّن رہتا ہے اس وقت تک، جب تک کہ اس کے بدلے میں دوسرا جانور نہ لایا جائے، اس وجہ سے فقہا کا ایک طبقہ یہ کہتا ہے کہ وہ اس جانور میں دوسروں کو شریک نہیں کرسکتا۔ لیکن فقہائے محققین یہ کہتے ہیں کہ یہ تعیین وجوبی نہیں ہے اس کو یہ اختیار ہے وہ چاہے تو اس کے بدلے میں دوسرا جانور لے لے، اور قربانی کرے فقہائے محققین جیسے صاحب ہدایہ، صاحب در مختار اور اس پائے کے اور بھی فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ جب اس نے قربانی کا جانور اپنی نیت سے خریدا ہے تو دوسروں کو اس میں شریک نہ کرے کہ وہ جانور اس کے لیے متعیّن ہو گیا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر شریک کرلے گا تو بھی جائز ہے اور شریک نہ کرے گا تو بھی جائز ہے شریک نہ کرنا مستحب ہے اور شریک کرلینا جائز، غیر مستحب ہے۔

اور اگر وہ جانور گھر کا ہو، جس کو شروع سے قربانی کی نیت سے پالا ہو تو اس کا حکم فقیر وغنی کے لیے اسی تفصیل کے مطابق ہونا چاہیے جو ابھی قربانی کی نیت سے خریدے ہوئے جانور کے تعلق سے ہم نے بیان کیا۔ اور اگر شروع سے قربانی کی نیت نہ تھی، بعد میں کسی وقت کی تو قربانی کے لیے اس کا تعین وجوبی نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال (۱۵): کیا یہ جائز ہے کہ کوئی شخص بڑا جانور خرید کر اس کا ایک حصہ اپنے لیے رکھ لے اور دوسرے حصے بیچ دے؟

جواب: ہاں، ایسا کرنا جائز ہے بشرطے کہ دوسرے چھ حصے خریدنے والے قربانی کے لیے خریدیں اور اس طرح یہ ساتوں قربانی کے شرکا ہوں گے وہ چھ افراد جن کو وہ شریک بنائے گا حقیقت میں اپنے اپنے حصے کے خریدار ہوتے ہیں اور یہ شخص ان چھ حصوں کا بائع ہوتا ہے، اس کے بیچنے کا مقصد ہے شریک کرنا۔ تو انھیں یہ قربانی میں شریک کرنے کے لیے بیچ سکتا ہے اور اگر ان چھؤوں کی یا بعض کی نیت قربانی کی نہ ہو، بلکہ صرف گوشت مقصود ہو تو کسی کی قربانی نہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال (۱۶): ایک جانور میں چھ شرکا ہیں، اپنا اپنا حصہ لے لینے کے بعد ساتواں حصہ تمام شرکا مل کر کسی ایک کو دے سکتے ہیں کہ نہیں؟

جواب: دے سکتے ہیں۔ جائز ہے اور اس پر تو مسلمانوں کا ایک عرصہ سے عمل درآمد بھی ہے کہ جو لوگ قربانی کا جانور لیتے ہیں وہ ایک حصہ حضور سید عالم ﷺ کی طرف سے رکھتے ہیں کبھی دو آدمی لیتے ہیں تو تین تین حصے اپنا کرلیتے اور ساتواں حصہ سرکار ﷺ کا۔ چھ آدمی ہوتے ہیں تو ایک، ایک حصہ اپنا اور ساتواں حصہ سرکار ﷺ کا۔ اس پر تو عمل درآمد ہے یہ شرعاً جائز بھی ہے اور اس سلسلے میں در مختار کا ایک صریح فقہی جزئیہ بھی موجود ہے کہ یہ درست ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔............**(جاری)**

مدارس کا زوال...!!

شیخ سجاد حسین رضوی

تاریخ کے تجزیاتی مطالعے سے یہ واضح ہو گیا کہ خلافت عثمانیہ کے زوال (۱۹۲۴) کے بعد اسلام کی تجدید و اصلاح کی جو تحریک چلائی گئی ہے اس کے تمام ذرائع مادیت پر اصرار کرتے ہیں، مادیت کے ان تھپیڑوں سے دنیا کا کوئی بھی طبقہ اپنی کشتی کو صاف بچا کر نہیں نکال سکا، علما کا شجرۂ نسب بھی چونکہ فرشتوں سے نہیں ملتا۔ اس لیے ان کے دلوں میں بھی آسائشوں کی تمناؤں کا انگڑائی لینا فطری ہی اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی ہمیں تسلیم کر لینا چاہیے کہ علما کے علمی و عملی زوال کے ہزار شکوے اور فکری افلاس کے ہزار طعنوں کے باوجود امت مسلمہ میں اگر دین کسی نہ کسی صورت میں زندہ ہے تو وہ انہی کی جہد مسلسل کا مرہون منت ہے۔

مورخین ۱۸۵۷ء کی بغاوت ناکامی کی ایک بڑی وجہ تنظیم و ترتیب کے فقدان اور نتائج سے چشم پوشی کو مانتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ بغاوت کے حوالے سے مورخین کے اس نفسیاتی مطالعے کو حاصل زندگی کے ہر شعبے اور ہر تحریک میں دیکھا جانا چاہیے۔ افسوس کہ آج کے اس آباد خرابے میں ہمارے علما کی تمام تر توجہات صرف اور صرف مدارس کے قیام اور ان کی توسیع کی طرف ہے اور اس قیام و توسیع کے جنون میں مدارس کے تابناک مستقبل کی فکر کہیں چھپ سی گئی ہے، حالانکہ انہیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ جب دین کو زندہ رکھنے کا سارا کریڈٹ انہی کو جاتا ہے تو پھر مسلم بچوں کی دینی علوم اور مدارس سے بیزاری کی صورت میں ملت اسلامیہ ہند کے مرگ مفاجات کی تنہا ذمہ داری بھی انہیں قبول کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

کسی بھی تحریک یا ادارے پر اچانک زوال نہیں آتا بلکہ عروج و زوال دونوں کا سلسلہ عہد بہ عہد ہوتا ہے۔ آج ارباب مدارس ملکی سطح پر سینکڑوں مدارس اور ان میں پڑھنے والے ہزاروں طلبہ کی تعداد دیکھ کر ان کے مستقبل کی طرف سے خوش فہمیوں کی جنت میں سیر کر رہے ہیں تو ان کی یہ سطحی نظر بجائے خود ہمارے مدارس کے زوال کا روشن استعارہ ہے۔ مدارس کی داخلی سرگرمیوں اور ان کی تنظیم کے متعلق سے کوئی شخص اگر غور و فکر کرے تو ایسے بہت سے سوالات اس کے ذہن میں ابھریں گے جو مدارس کے مستقبل کے تعلق سے یقیناً اسے فکر مند کر دیں گے۔ مدارس کی سرگرمیوں کا جائزہ لینے کے بعد جو سوالات سامنے آئے وہ یہ ہیں:

کچھ سوالات: میرا خیال ہے کہ کسی بھی علاقے میں دینی ادارے کے قیام کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ وہاں مقامی سطح پر اسلام کا فروغ ہو اور مقامی افراد دین سے واقف ہو کر اسے اپنی عملی زندگی میں اپلائی Apply کر سکیں۔ لیکن ملک گیر سطح پر جس شہر، قصبہ یا دیہات میں جو ادارہ ہے، وہاں کے مقامی بچے دو فیصد بھی اس ادارے میں نہیں پڑھتے۔ یہی حال پاکستان کے تقریباً تمام مدارس کا ہے اس سلسلے میں ارباب مدارس کے خلوص اور نیتوں پر مجھے شک نہیں، وہ اپنی بساط بھر اس بات کی کوشش بھی کرتے ہوں گے کہ علاقائی بچے وہاں تعلیم حاصل کرنے کے لیے آئیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ انہی کوششوں کا ایک حصہ سالانہ جلسہ دستار بندی کا انعقاد بھی ہے تاکہ دستار بندی کے حسین منظر کو دیکھ کر مقامی والدین کے دلوں میں بھی اپنے بچوں کو عالم دین بنانے کی تمنا موجیں مارے، لیکن اس رونمائی کے باوجود وہ اپنی گاڑھی کمائی سے مدرسے کو چندہ دینے کو تیار رہیں، اپنے جگر گوشوں کو مدرسے میں داخل کرنے کے لیے راضی نہیں، آخر کیوں؟ علاقائی سطح پر اگر علما تیار ہوتے تو یقیناً وہاں کے حالات میں دینی حیثیت سے نمایاں تبدیلیاں آتیں، لیکن دینی مرکز کھل جانے کے باوجود علاقائی افراد بے فیض ہیں۔ اب ایسے میں سوال یہ اٹھتا ہے کہ مقامی سطح پر دینی مرکز کے بنیادی مقصد کے فقدان کی صورت میں اس ادارے کے قائم رہنے کا جواز کیا رہ جاتا ہے؟

ماضی میں مدارس کے حالات کا جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والوں میں مقامی طلبہ بھی کثرت سے ہوتے تھے اور ان طلبہ میں ایک اچھی خاصی تعداد ان کی بھی ہوتی تھی جن کا تعلق متمول گھرانے سے تھا۔ ماضی کے نامور علما کی سوانح ہمیں بتاتی ہے کہ ان میں سے ایسے بہت سے تھے جو زمین دار اور دولت مند گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن اس صورت حال میں اس تیزی سے انحطاط آیا ہے کہ اب ۹۵ فیصد طلبہ جو مدارس کا رخ کرتے ہیں ان کا تعلق

متوسط یا نچلے طبقے سے ہوتا ہے۔ آج دولت مند اور سیٹھ حضرات بڑی بڑی رقمیں اداروں کو چندے کی صورت میں دے رہے ہیں اور ساتھ میں دینی مدارس کی مالی سرپرستی بھی فرمارہے ہیں لیکن اپنے بچوں کو ان اداروں میں بھیج کر عالم دین بنانے میں انہیں کوئی دلچسپی نہیں، کیوں؟ مدارس کو وہ لاکھوں روپے دینے کو تیار ہیں، اپنے بچے دینے کو راضی نہیں جب کہ وہ اپنے بچوں کی تعلیم سے غافل نہیں ہیں۔ اپنے بچوں کو یہ لوگ موٹی موٹی رقمیں ڈونیشن کی صورت میں دے کر ملک کے نامور کالجوں اور اسکولوں میں تعلیم دلا رہے ہیں مگر دینی مراکز میں اپنے بچوں کو داخل کرنے کا تصور بھی نہیں کرتے۔

متمول گھرانے کے افراد کی طرح ماضی میں شہری علاقوں سے تعلق رکھنے والے بھی کثیر تعداد میں مدارس میں تعلیم حاصل کرتے تھے، لیکن اب مدارس کا سروے ہمیں اس نتیجے پر لے جاتا ہے کہ دینی اداروں میں تعلیم حاصل کرنے والوں کی بڑی اکثریت قصبات اور دیہات سے تعلق رکھتی ہے اور بتدریج شہروں کے بچے مدارس کا رخ کرنے کی بجائے اسکولوں میں پڑھنے کو ترجیح دے رہے ہیں اور یہی حالات کم وبیش علما اور مشائخ کے بچوں کے ہیں۔ وہ خود عالم دین ہیں مگر اپنے بچوں کو عالم دین بنانا پسند نہیں کر رہے ہیں، آخر کیوں؟ ان کے علاوہ آخر کیوں مدارس کے فارغین دعوت وتبلیغ کا کام انجام دینے کی بجائے کمپیوٹر اور انگریزی سیکھ کر چھوٹی موٹی نوکریاں کرنا پسند کر رہے ہیں؟ آخر کیوں جب ایک علاقے میں ایک مدرسے سے دینی ضرورت پوری ہو جا رہی ہے، اس کے باوجود وہاں یکے بعد دیگر مختلف مدارس قائم ہوتے جا رہے ہیں؟ آخر کیوں اچھے علما خطابت اور طریقت کے میدان میں اپنے ہنر آزمانے کو بے تاب دکھ رہے ہیں؟ اور کیوں علما کے اندر اب دعوت وتبلیغ دین کے حوالے سے وہ اخلاص نہیں رہا، جو ان کا طرہ امتیاز ہوا کرتا تھا؟

میرا خیال ہے کہ ان تمام "کیوں" کا جواب آپ تلاش کریں گے تو اس کی تان ،،مادیت،، پر جا کر ٹوٹے گی۔

اکیسویں صدی میں مادیت کا جو سیلاب آیا ہے، اس نے زندگی کے منظرنامے کو یکسر تبدیل کر کے رکھ دیا ہے، اس لیے دینی مراکز کے اطراف میں رہنے والے افراد اپنے بچوں کے مستقبل کے حوالے سے دیکھی ہوئی مکھی کو نگلنے کو تیار نہیں۔ مادیت کے سیلاب نے جس علاقے کو سب سے زیادہ متاثر کیا ہے، وہ ہیں شہری علاقے اور خاص طور پر بڑے شہر، اس لیے متمول گھرانے کے پروردہ اور شہر سے تعلق رکھنے والے بچے اس تعلیم کو حاصل کرنے کو تیار نہیں جو انہیں امارت وخوشحالی کے ثریا سے غربت اور تنگ حالی کی زمین پر دے مارے۔ رہے وہ علما اور مشائخ جو دینی مزاج اور حمیت رکھتے تھے اور اسکول وکالج کی تعلیم کی مخالفت میں کبھی جن کی شعلہ نوائی مشہور تھی اور مدارس کی تعلیم کے حصول اور داڑھی وٹوپی کے التزام پر جن کے مزاج کی گرمی ان کی زبان پر بھی محسوس کی جاتی تھی، خوشحال زندگی کی تمنا میں ان کی وہ مذہبی آگ بھی سرد ہو چکی ہے اور اب بتدریج وہ اپنے بچوں کو ،،افسر،، بنا کر ان کی گاڑھی کمائی سے اچھی زندگی گزارنے کی آرزو لیے وقت کا انتظار کر رہے ہیں۔ گویا مدارس کا رخ کرنے والے عموماً اب وہ لوگ رہ گئے ہیں، جن کا تعلق دیہات وقصبات سے ہے، جہاں ابھی مادیت اور مغربی تہذیب کے سرکش طوفان نے دستک نہیں دی ہے، لیکن اس طوفان کی آمد کی دھمک واضح طور پر محسوس کی جا رہی ہے، اس لیے ہندوستان کے بیشتر دیہاتوں اور قصبوں میں اب وہ پہلے جیسی غربت نہیں رہی، یہ علاقے بھی بنیادی ضرورتوں اور آسائشوں سے مالا مال ہیں اور دیہات کی سادگی اور انسانیت اپنا رخت سفر باندھ رہی ہیں۔ وہاں بھی عیش وطرب کی زندگی کے حصول کے لیے اب لوگ صرف انہی چیزوں کو گلے سے لگانے کی تیاری کر رہے ہیں، جو ان کے خوابوں کو تعبیر دیتی ہیں۔ ایسی نازک حالت میں ڈر ہے کہ مدارس میں داخل ہونے والے دیہاتوں اور قصبوں کے یہ غریب اور متوسط طلبہ بھی مستقبل میں دینی تعلیم کے لیے تیار نہ ہوں۔ اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ پھر مدارس میں کون پڑھے گا؟

علما سے قناعت کا مضحکہ خیز مطالبہ:

اب تک کے تجزیئے سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ قوم کے افراد کی مدارس اور دین سے برگشتگی کی بنیادی وجہ خوشحال زندگی سے محرومی ہی اسی طرح سماج میں علما کی بے وقعتی اور بے اعتباری کی وجہ بھی یہی ہے کہ ان کی محنتوں کا معاوضہ اتنا بھی نہیں ہوتا جتنا ایک معمولی آفس میں کام کرنے والے کلرک کا ہوا کرتا ہے۔ یہ دنیا کے افراد جن میں عام آدمی سے لے کر دانشوران تک اور مدرسے کے منتظمین سے لے کر مساجد کے ذمہ داران تک سبھی شامل ہیں، اتنے خود غرض ہو چکے ہیں کہ وہ خود اپنے لیے دنیا بھر کی آسائشوں کی تمنا کرتے ہیں اور ان کے حصول کیلیے کوئی دقیقہ نہیں چھوڑتے، لیکن علما سے خودی اور نفس کی حفاظت کرتے ہوئے توکل و قناعت کا مطالبہ کرتے ہیں ان کے اس مطالبے پر کبھی غور کرتا ہوں تو بے اختیار ہنسی آجاتی ہے، کیونکہ شرعی رو سے توکل وقناعت کا مطالبہ اس

طبقے سے کیا جانا چاہیے جس کے پاس ضرورت سے زیادہ دولت ہو، اس کے باوجود اس کی ہوس کم نہیں ہوتی، جن بے چاروں کو مہینے کے آخر میں اپنی ضروریات کی تکمیل کے لیے سوچنا پڑتا ہو، ان سے توکل وقناعت کا مطالبہ ایک بھونڈا مذاق نہیں تو اور کیا ہے؟

اسلام میں غربت کو ایک مرض کہا گیا ہے اور اس مرض کا علاج بتایا گیا ہے تاکہ مسلم سماج کا پسماندہ طبقہ چین کی سانس لے سکے اور اسلامی دستور کے زیر سایہ اپنی خودی اور نفس کی حفاظت کر سکے۔ آج شورش پسند اور سازشی عناصر نے اسی ''غریبی'' کا استحصال کر کے اس کی آڑ میں لادینیت اور جرائم کا کاروبار پھیلا رکھا ہے۔ ہندوستان میں لاکھوں دلتوں کا عیسائی اور بدھ مذاہب کو قبول کرنا، کسانوں کا روز بروز اجتماعی خودکشی کرنا، پڑھے لکھے نوجوانوں کا جرائم کی دنیا میں قدم رکھنا اور علما کا سطحی حرکتوں کا ارتکاب کرنا اس کی واضح مثالیں ہیں۔ اسلامی تعلیمات سے غفلت اور مسیحی وجبری پروپیگنڈے نے ہمیں اس موڑ پر لا کھڑا کر دیا ہے جہاں ہم غربت و افلاس کو اسلام کا نظریہ سمجھنے لگے ہیں۔ جبکہ قرآن وحدیث کے ذخیرے سے ایسی کسی آیت یا حدیث کی نشاندہی نہیں کی جا سکتی جس میں غربت و افلاس کو سراہا گیا ہو، وہ حدیثیں جن میں زہد و پرہیزگاری اور دنیا سے کنارہ کشی کی تعریف کی گئی، ان کا غریبی اور ناداری کی تعریف سے دور کا بھی واسطہ نہیں، اس لیے کہ دنیا سے کنارہ کشی کی تلقین اسی سے کی جائے گی جو اپنی دولت وامارت کے ذریعہ دنیاوی عیش وعشرت میں مگن ہو کر اپنے مذہب سے غافل ہو گیا ہو، وہ شخص جس کے پاس اپنی بنیادی ضرورتوں کے لیے بھی پیسہ نہ ہو، وہ ویسے ہی دنیا سے کنارہ کش ہے، اس سے مزید کنارہ کشی کا مطالبہ تحصیل حاصل کے سوا اور کیا ہے؟ قناعت کی تعلیم جن احادیث میں ملتی ہے ان کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ انسان کیڑے مکوڑے جیسی زندگی گزارے اور خوشحال زندگی کی مطلق تمنا نہ کرے یا دولت مند عیش وطرب میں مست رہ کر فضول خرچی کرتا رہے اور شرعی حدود کی پاسداری بھی نہ کرے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام دولت کو نعمت سمجھتا ہے اور اپنے بندوں کو بطور احسان گنواتا ہے۔ اس دولت کے حصول پر اپنے رب کی بارگاہ میں شکر ادا کرنے کا حکم دیتا ہے اور غریبی کو مصیبت قرار دے کر اس سے پناہ مانگنے کی تلقین کرتا ہے۔ علما سے توکل کا مطالبہ کرنے والوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ علما کا تعلق بھی اسی دنیا سے ہے، وہ بھی حضرت آدم کی اولاد ہیں، ان کی بھی اپنی ضرورتیں ہیں، خالی جیب نہ مذہب کی قیادت ہو سکتی ہے اور نہ مذہب وملت کی شیرازہ بندی کے لیے غور وفکر میں گہرائی پیدا ہو سکتی ہے، بلکہ معاشی تنگ حالی ذہن وفکر کو اتنا مفلوج کر دیتی ہے کہ باصلاحیت علما بھی زندگی سے مایوس ہو کر کنج نشیں ہو جاتے ہیں۔

مشکلات کا واحد حل:

اگر ہم چاہتے ہیں کہ دین ومذہب کی شمع یونہی فروزاں رہے تو دینی مدارس کی بقا نہایت ضروری ہے۔ لیکن جس طرح مکین کے بغیر کوئی گھر مکان نہیں ہوتا، اسی طرح طلبہ کے بغیر کوئی عمارت، مدرسہ نہیں ہو سکتی، طلبہ مدارس میں داخل ہوں گے تو علما، حفاظ اور محققین بن کر نکلتے رہیں گے اور دین کا کارواں اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہے گا۔ علما ہی نہ ہوں گے تو نہ مساجد آباد رہیں گی، نہ دینی مراکز زندہ رہیں گے اور نہ اسلام اپنی اصل ہیئت میں معاشرے میں باقی رہے گا۔ میرے نزدیک ایسی نازک حالت میں مدارس کے تحفظ کا صرف ایک راستہ ہے کہ علما کو ان کی محنتوں کا بدل اسی طرح ملے جس طرح عصری علوم حاصل کرنے کے بعد دیگر لوگوں کو ملا کرتا ہے، آج لوگ علما اور مدارس سے بیزار ہو کر اسکول و کالج کا رخ صرف اس لیے کر رہے ہیں کہ وہاں سے معیشت کے دروازے کھل جاتے ہیں، اگر مدارس بھی ایک ممکنہ حد تک اس کا بدل پیش کریں تو یقیناً والدین اپنے بچوں کو مدرس میں بھی اسی جوش وخروش سے بھیجیں گے جس طرح وہ اسکول بھیجا کرتے ہیں۔ یہ راستہ ایسا مشکل بھی نہیں کہ جس کی طرف پیش قدمی نہ کی جا سکتی ہو۔

میری سمجھ میں آج تک یہ نہیں آسکا کہ مدارس کے علما اور مساجد کے آئمہ کی تنخواہیں اتنی کم کیوں دی جاتی ہیں۔ اس ناتواں روایت کا سرا ڈھونڈنے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہا۔ اگر مدارس ومساجد کے منتظمین اس کی توجیہہ یہ پیش کرتے ہیں کہ عوامی چندے سے مدارس ومساجد چلتے ہیں اور چندے سے اچھی تنخواہیں دینا ممکن نہیں تو یہ عذر مدارس ومساجد کی تعمیر میں کیوں نہیں پیش کیا جاتا جہاں لاکھوں کروڑوں روپے صرف ان کی تعمیر وتزئین میں خرچ کر دیے جاتے ہیں اور یہ معذرت خواہانہ رویہ ان جلسوں کے انعقاد پر کیوں نہیں ہوتا جہاں ایک ایک رات میں لاکھوں روپے فضول پانی کی طرح بہا دیے جاتے ہیں۔ اگر مدارس ومساجد کی تعمیر اور جلسہ وجلوس کے انعقاد کے لیے آپ لاکھوں کروڑوں جمع کر سکتے ہیں تو علما اور ائمہ کی اچھی تنخواہوں کے لیے کوششیں کیوں نہیں کی جا سکتیں؟

میری رائے میں جن اداروں میں دو سو طلبہ کی گنجائش ہے وہاں ڈیڑھ سو ہی رکھے جائیں، **(باقی ص:۲۹ پر)**

نقطۂ نظر

شریعت اور طبیعت

مولانا محمد عارف اللہ فیضی مصباحی

بعض آزاد طبع کہتے ہیں: شریعت لوگوں کی طبیعت کے مطابق ہے۔ ہم لوگوں کو آسانیاں فراہم کرنی چاہیے اس لیے میں دین آسان کر کے لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہوں، اگرچہ کسی بھی امام کے قول پر عمل کرنا پڑے۔

اس طبع زاد قول کا تجزیہ اور اس پر نقد اگلی سطور میں پیش ہے۔

علما کے نزدیک دین و شریعت کے الفاظ مترادف ہیں اور انہوں نے ان کی یہ تعریف کی ہے:

”اللہ تعالیٰ کے وضع فرمودہ وہ عقائد و احکام جو اہل عقل و ادراک کے لیے ان کے حسن انتخاب کے سبب خیر ذاتی“ یعنی اللہ کی خوشنودی اور اس کے دیدار کے حصول کا باعث ہوں“۔ یا ”اللہ تعالیٰ کے وضع کردہ وہ عقائد و احکام جو کسی کی ذات میں پا لیے جائیں تو وہ اسے ”خیر ذاتی“ تک پہنچا دیں“۔ (۱)

درج بالا تعریف سے معلوم ہوا کہ دین و شریعت اللہ تعالیٰ کے وضع فرمودہ عقائد و احکام کو کہتے ہیں۔ اب عرض ہے کہ قائل کے قول:

”شریعت لوگوں کی طبیعت کے مطابق ہے“۔ میں دو احتمال ہیں:

(۱) انسانی طبیعت ہے خواہشات نفسانی کی طرف غایت درجہ رغبت اور ان کی محبت میں انہماک۔ تو اگر شریعت اس طور پر لوگوں کی طبیعت کے مطابق ہے تو یہ سراسر باطل ہے کہ اس میں قرآن کی تکذیب ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے حظوظ دنیا کی ساری قسموں کو حقیر قرار دیا ہے، لوگوں کو ان سے دل نہ لگانے کی تلقین کی ہے اور ان کی رغبتوں اور چاہتوں کا رخ اس جنت کی طرف پھیرا ہے جو اللہ نے تیار فرمائی ہے: ارشاد ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾

”لوگوں کے لیے آراستہ کی گئی ان خواہشوں کی محبت عورتوں اور بیٹے اور تلے اوپر سونے چاندی کے ڈھیر اور نشان کیے ہوئے گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی یہ جیتی دنیا کی پونجی ہے اور اللہ ہے جس کے پاس اچھا ٹھکانا ہے“۔ (آل عمران ۳/۱۴) (۲)

(۲) اور اگر مراد ہے: شریعت یعنی اسلام کا پورا نظام عقائد و احکام لوگوں کی طبیعت کے مطابق اور طبعی طور پر انہیں مرغوب و پسندیدہ ہے تو یہ بھی غلط ہے کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو صفحۂ عالم پر کوئی غیر مسلم نہ پایا جاتا، کم از کم پوری دنیا کے مسلمانوں کو اس پر عمل کرنا آسان ہوتا مگر حقیقت کیا ہے یہ کسی پر مخفی نہیں۔ نماز فرض ہے مگر قرآن کہتا ہے کہ ”یہ عجز و فروتنی کرنے والوں کے سوا سب پر شاق اور بھاری ہے“ اور اسی لیے مسلمانوں کی انتہائی قلیل تعداد نماز پابندی کے ساتھ ادا کرتی ہے۔ ماہ رمضان کا روزہ ناگزیر ہے مگر اس کی سختی کے سبب کتنے لوگ روزے رکھتے ہیں؟ زکات فرض ہے لیکن کتنے صاحبان نصاب ہیں جو پوری زکات ادا کرتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ دین دولت ایمان سے مشرف ہو کر تمام بے جا خواہشات نفسانی اور خلاف شریعت طبعی میلانات و رجحانات کو ترک کر دینے اور اللہ و رسول کی ہدایات و تعلیمات پر سختی کے ساتھ عمل پیرا ہو جانے کا نام ہے۔ اس طرح دین طبیعت کی موافقت و مطابقت نہیں بلکہ اس کی مخالفت اور اس سے جنگ ہے اور یہ آسان نہیں بلکہ:

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

پھر جب دین اللہ کا وضع فرمودہ ہے تو اس میں آسانیاں فراہم کرنے کا اختیار کسی انسان کو کیسے حاصل ہو گا یہ تو دین و شریعت میں کھلی تبدیلی ہو گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ. (یونس: ۱۰/۶۴)

”اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں، یہی بڑی کامیابی ہے“۔

دوسرے مقام پر فرماتا ہے: وَمَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ. (ق: ۵۰/۲۹)

”میرے یہاں بات نہیں بدلتی“۔

استاذ مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ، ضلع مئو

اور ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

وَمَن يُّبَدِّلْ نِعمَۃَ اللہِ مِن بَعۡدِ مَاجاءَ تہ فَاِنَّ اللہَ شَدِیۡدُ العِقَاب. (بقرہ:۲،۲۱۱)

”اور جو اللہ کی آئی ہوئی نعمت یعنی اس کی آیات کو بدل دے تو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے“۔

میرے خیال میں دین و شریعت کو طبیعت کے مطابق قرار دینے اور اس میں آسانی فراہم کرنے کی بات کرنے والے لوگ ذیل کی دو حدیثوں کا صحیح مطلب نہ سمجھنے کے سبب ایسی غیر دانشمندانہ باتیں کرتے ہیں۔

(۱) حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَامِنۡ مَولُودٍ اِلَّا یُولَدُ عَلَى الۡفِطۡرَةَ فَأَبَوَاهُ یُهَوِّ دَانِہٖ وَ یُنَصِّرَ انِہٖ و یُمَجِّسانِہٖ. (مسلم کتاب القدر حدیث نمبر: ۲۶۵۸، جامع الکتب التسعہ)

”ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں“۔

”فطرت“ کی مراد میں علما کے متعدّد اقوال ہیں جن میں صحیح تر قول یہ ہے کہ ہر بچہ اسلام کے لیے آمادہ ہو کر پیدا ہوتا ہے اسی لیے اگر اس کے ماں باپ یا ان میں کوئی ایک مسلمان ہو تو احکامِ دنیا و آخرت میں اس پر اسلام کا حکم نافذ ہوگا اور اگر اس کے والدین کافر ہوں تو اس پر احکامِ دنیا میں اس کے والدین کا حکمِ کفر جاری ہوگا یہی حضور ﷺ کے ارشاد: یُهودانه و ینصرانه و یمجسانه کا مطلب ہے یعنی دنیا میں اس بچہ کا وہی حکم ہوگا جو اس کے والدین کا ہوگا چناں چہ اس کے بالغ ہونے کی صورت میں والدین کا دین اور کفر کا حکم جاری ہوگا پھر اگر سعادتِ ازلی یاوری کرے گی تو وہ اسلام لے آئے گا ورنہ اپنے کفر پر مرجائے گا اور اگر بالغ ہونے سے پہلے ہی اس کا انتقال ہو جائے تو اس میں تین اقوال ہیں (۱) وہ جنتی ہے (۲) جہنمی ہے (۳) اس میں توقف کیا جائے۔

زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ جنتی ہے“۔[۳]

حدیث شریف کی اس تشریح سے صرف اتنا معلوم ہوا کہ بچہ اسلام کے لیے آمادہ ہو کر پیدا ہوتا ہے نہ یہ کہ اسلام کا پورا نظام عقائد و اعمال اس کی طبیعت کے مطابق ہوتا ہے۔

(۲) یَسِّرُو او لَا تُعَسِّرُوا وَ بَشِّرُوۡا وَلَا تُنَفِّرُوا (متفق علیہ)

”آسانی کرو سختی نہ کرو اور خوش کرو متنفر نہ کرو“۔

اس حدیث کے تحت علامہ ابن بطال کی شرح بخاری میں ہے:

”حضور ﷺ کے اس ارشاد سے مراد نفلی امور خیر ہیں نہ کہ اللہ کے فرض کردہ وہ امور و فرائض مراد ہیں جن کی عمل آوری کو حالتِ عذر میں اللہ نے آسان فرما دیا ہے۔

جیسے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے عاجز ہونے کی حالت میں بیٹھ کر نماز ادا کرنا اور ماہِ رمضان میں سفر اور بیماری کی حالتوں میں روزہ نہ رکھنا، اسی طرح یہ حدیث ان تمام امور سے متعلق ہے جن میں اللہ نے اپنے بندوں کو رخصت عطا فرمائی۔ نوافل میں اپنے نفس پر آسانی کرنے اور اتنے ہی نوافل ادا کرنے کا حکم دیا جو ان پر شاق اور گراں نہ ہوں تاکہ انھیں ان سے اوب جانے یا ان کو چھوڑ دینے کا اندیشہ نہ ہو۔ یہ حکم اس لیے ہے کہ اللہ کے نزدیک افضل عمل وہی ہے جو پائیدار ہو اور ہمیشہ کیا جائے اگرچہ وہ کم ہی کیوں نہ ہو۔ حضور علیہ السلام نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا: ”فلاں کی طرح نہ ہو جانا کہ راتوں کو قیام کرتا تھا پھر چھوڑ دیا۔“

علامہ علی قاری نے کہا: ”امور یعنی زکات کی وصولی میں آسانی اور نرمی کرو اور لوگوں پر سختی نہ کرو کہ ان سے اس مقدار سے زیادہ وصول کرو جو ان پر لازم ہے یا جیسا مال دینا ان پر لازم ہے اس سے بہتر وصول کرو۔ یا ان کے عیب ڈھونڈھنے کے درپے رہنے اور ان کے حالات کی ٹوہ میں لگے رہنے کی سختی میں انھیں نہ ڈالو۔“[۴]

علامہ ابن حجر کہتے ہیں: حدیث کا مطلب ہے جس شخص نے اسلام قبول کیا ہو اس کے دل میں اسلام کی الفت و محبت ڈالو، اس سے انس اور رغبت پیدا کرو اور ابتدا میں ہی اس پر کوئی سخت حکم نہ لگاؤ۔

اسی طرح گناہوں سے روکنے میں نرم رویہ اختیار کیا جانا چاہیے تاکہ لوگ مبلغ کی تبلیغ کو قبول کریں اور ایسے ہی علم کی تدریس و تعلیم تدریجی طور پر ہونی چاہیے کیوں کہ جب کوئی چیز ابتدا میں سہل اور آسان ہوتی ہے تو اسے اختیار کرنے والے کے دل میں وہ محبوب اور پسندیدہ ہوتی ہے اور وہ شخص اس کو خوشی خوشی قبول کر لیتا ہے اور زیادہ تر اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ اس میں مسلسل اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

ہم نے شارحین حدیث کے اقوال سے دونوں حدیثوں کی مراد واضح کر دی۔ ہدایت اللہ کے دست قدرت میں ہے۔

ایک عامی غیر مجتہد کے لیے ائمۂ اربعہ میں سے کسی امام کی تقلید کے بارے میں دو قول ہیں:

(۱)-اس کا کوئی مذہب نہیں۔ وہ کسی بھی مسئلہ میں جس امام کی تقلید کرنا چاہے، کرسکتا ہے۔

(۲)-کسی معین امام کی تقلید کا التزام کر لینے پر اسے کسی اور امام کی تقلید کرنا جائز نہیں۔

پہلا قول باطل و نامعتبر ہے۔ اسے امت کے خیر خواہ ائمہ نے باطل قرار دیا اور بہت سے علمائے متقدمین ومتاخرین نے اس کے رد و ابطال میں کتابیں تصنیف فرمائیں۔ اسی قول کے بطن سے وہابیہ غیر مقلدین کا دین میں ایک عظیم فتنہ برپا ہوا۔

پھر جب ہم قولِ اول کے قائل علما کی پوری زندگی کا جائزہ لیتے اور اسے جانچتے پرکھتے ہیں تو ہمیں یقین ہوجاتا ہے کہ ان کے دل بھی اس قول سے راضی نہیں اور ان کا عمل اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ وہ اسے پسند نہیں کرتے بلکہ وہ اس سے اجتناب کرتے ہوئے ایسے مسائل میں کہتے ہیں: ”ان سے آگاہ تو رہا جائے مگر لوگوں سے انھیں مخفی رکھا جائے۔“ وہ یہ بات محض اس لیے کہتے ہیں کہ کہیں بے علم اور ان پڑھ لوگ (اس میں بزعمِ خویش خود کو عالم قرار دینے والے لوگ بھی شامل ہیں) مذہب کی عمارت ہی ڈھا دینے کی جسارت نہ کرنے لگیں۔

یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ وہ اپنی پوری زندگی اپنے اپنے امام کے مذہب کے متبع اور اس پر عمل پیرا رہے، اپنے کسی قول وعمل میں اپنے مذہب سے باہر نہ نکلے اور اس کی حمایت و دفاع میں پوری عمر صرف کر ڈالی۔ اور اس طرح پورے علمائے امت کا امام معین کی تقلید پر اتفاق ہو گیا۔

اب یہ سوال ذہن میں آتا ہے کہ ان علما نے ایک غیر مجتہد شخص کو کسی بھی مذہب پر عمل کرنے کی اجازت کیوں دی؟

امام احمد رضا نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ بات انھوں نے محض بطور بحث لکھی ہے۔ ان کا اس سے کوئی اور مقصد نہیں۔

شارح صحیح مسلم امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پہلے قول کے مفاسد کا بیان کرنے کے بعد ایک امام کی تقلید کو واجب قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اگر ایک عامی کے لیے کسی بھی مذہب کو اختیار کر لینا جائز ہوجائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنی خواہشِ نفس کی پیروی کرتے ہوئے مذاہب فقہ کی رخصتوں کو اپنائے گا، اسے اختیار مل جائے گا، حرام کو حلال، حلال کو حرام، جائز کو واجب اور واجب کو جائز ٹھہرا لے گا اور یہ تکلیفِ شرعی کی رسی کے ڈھیلی پڑ جانے کا سبب ہوگا۔ بر خلاف اسلام کے دورِ اول کے کہ اس میں ایسے مذاہب موجود نہیں تھے جو نئے پیش آمدہ مسائل کے احکام کے جامع ہوں۔ اسی لیے ایک عامی پر لازم ہے کہ وہ ایک ایسے معین مذہب کو اختیار کرنے کی کوشش کرے جس کی وہ تقلید کرے۔“ (۵)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بھی امام معین کی تقلید پر اجماعِ امت اور اس کے مصالح و فوائد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ان چاروں مدون مذاہب کی تقلید کے جواز پر آج تک امت کا یا امت کے معتبر علما کا اجماع ہے۔ اس اجماع میں جو مصالح ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں، خاص طور سے اس زمانہ میں جس میں ہمتیں پست، لوگوں کے نفوس خواہشِ نفس کے گرویدہ اور ہر صاحبِ رائے اپنی رائے پر نازاں و فریفتہ ہے۔“ (۶)

ہاں اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ ذیل کے چھ اسباب میں سے کوئی ایک سبب بھی پا لیے جانے پر مقلد اپنے امام کے قول سے عدول کرے گا۔

(۱)- ضرورت (۲)- حرج (۳)- عرف (۴)- تعامل (۵)-دینی مصلحت و منفعت کی تحصیل (۶)-کسی مفسدہ کا ازالہ۔

ضرورت: ضرر و مجبوری کی وہ حالت جس میں فعل یا ترکِ فعل پر دین، جان، عقل، نسب، مال یا ان میں سے کسی ایک کا تحفظ موقوف ہو اور اس کے بغیر مقاصدِ پنج گانہ میں سے کوئی ایک یا سب فوت یا قریب فوت ہوجائیں۔

حرج: ایسی تنگی جس کے باعث دین، جان، عقل، نسب، مال یا ان میں سے کسی ایک کے تحفظ میں بندے کو مشقت و دشواری پیش آئے خواہ مقاصد پنج گانہ فوت وقریب فوت ہوں یا نہ ہوں۔

عرف: وہ قول یا فعل جو عام طور پر اربابِ عقل و دانش کے مابین رائج ہو اور عقولِ سلیمہ اسے اچھا تسلیم کرتی ہوں۔

تعامل: وہ کام جس کو عام طور سے عوام و خواص اچھا جان کر کرتے ہیں۔

مصلحت: وہ اہم چیز جو دین، جان، عقل، نسب، مال کی حفاظت کی ضامن ہو۔

فساد: وہ ناگوار چیز جو دین، جان، عقل، نسب، مال یا ان میں سے کسی ایک کو فوت کر دے۔

اسی فساد کو دور کرنے کا نام ازالۂ فساد ہے جسے ”دفعِ مفسدہ“ بھی کہا جاتا ہے۔ (فقہِ اسلامی کے سات بنیادی اصول، ص:۴۶،۴۹)

مندرجہ بالا تعریفات سے واضح ہوا کہ اگر صورت حال ایسی پیدا ہو جائے کہ اپنے مذہب پر عمل کرنے میں دین، جان، عقل، نسب اور مال یا ان میں سے کسی ایک کا تحفظ نہ ہو، یا کل یا ایک کے تحفظ میں مشقت و دشواری ہو یا کل یا ایک کی حفاظت کی ضمانت دینے والی کوئی اہم چیز فوت ہو جائے یا کل یا ایک کو فوت کرنے والی کوئی ناگوار چیز پائی جائے تو مقلد اس دوسرے مذہب کو اختیار کرے گا جس میں مذکورہ بالا امور پنج گانہ میں سے کل یا ایک کا تحفظ بآسانی ہو یا وہ اہم چیز فوت نہ ہو یا ناگوار چیز پائی نہ جائے۔ اسی طرح اس خلافِ مذہب قول و عمل کو بھی اختیار کرے گا جو ارباب عقل و دانش کے درمیان رائج ہو جائے اور وہ اسے اچھا سمجھ کر کرنے لگیں یا کوئی فعل عوام و خواص عام طور پر اچھا جان کر کرنے لگیں۔

تنبیہ: اگر کسی محل کا اسباب ستہ (چھ اسباب) میں سے کسی ایک سبب کا محل ہونا اتنا بیّن اور واضح ہو کہ اس میں کچھ بھی التباس واشتباہ نہ ہو تو عمل اسی پر ہوگا اور اگر اس کا محل ہونا مشتبہ ہو تو ائمہ ترجیح کی طرف رجوع ہوگا۔ اگر وہ ائمہ قولِ امام کے خلاف پر متفق ہوں تو یہ بات دلیل ہوگی کہ محل، اسباب ستہ میں سے کسی ایک سبب کا محل ہے اور اگر ان کے درمیان ترجیح میں اختلاف ہو یا وہ کسی قول کو راجح نہ قرار دیں تو پھر قول امام پر عمل ہوگا اور اس کے سوا کوئی بھی قول یا ترجیح ترک کر دی جائے گی کیوں کہ ان کا یہ اختلاف یا تو اس لیے ہے کہ یہ محل، مذکورہ اسباب میں سے کسی کا محل نہیں تو قولِ امام سے عدول نہیں، یا اس لیے ہے کہ محلیت میں ان کا اختلاف ہے تو امام کا قول جو یقینی طور پر ثابت ہے محض شک کی وجہ سے ترک نہیں کیا جائے گا۔ ہاں اگر ان کی ذکر کردہ دلیلوں میں نظر کرنے سے محلیت روشن وظاہر ہو یا قول امام سے عدول کرنے والے ائمہ نے محلیت پر مسئلہ کی بنیاد رکھی ہو اور ان کی تعداد عدول نہ کرنے والوں سے زیادہ ہو تو ان کا اتباع کیا جائے گا لیکن اگر انھوں نے مسئلہ کی بنیاد محلیت پر نہ رکھی ہو اور صرف اپنی دلیل پر اعتماد کیا ہو تو بھی قولِ امام پر ہی اعتماد ہوگا۔"

(فتاویٰ رضویہ، ج:۱، ص:۳۶۷، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف)

اس سلسلہ میں ہمیں ہمیشہ کسی اہلِ نظر ماہر فقہ و افتا کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ یہی سب سے اچھا طریقہ اور محفوظ ترین راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیقِ خیر عطا فرمائے۔

حوالجات

(۱)- والدين فهو وضع إلٰهي سائق لذوي العقول باختيارهم المحمود إلى الخير بالذات. (نور الانوار، ص:٦)

نور الانوار کے حاشیہ قمر الاقمار ص:۵، پر ہے:

الأصوب أن يفسر الدين بوضع الٰهي سائق لمن تحقق فيه إلى الخير بالذات. (حاشيه نمبر ٢٥)

حاشیہ قمر الاقمار میں ہے:

الشرائع جمع الشريعة: وهي الطريقة المحمودة الموضوعة بالوضع الإلٰهي والمرادُ المشروعات من العقائد و الأحكام. (حاشيه نمبر: ص:٤)

(۲)- تفسیر ابی السعود میں ہے:

(زين للناس) كلام مستأنف سيق لبيان حقارة شأن الحظوظ الدنيوية بأصنافها وتزهيد للناس فيها وتوجيه لرغباتهم إلى، عند، تعالىٰ إثر بيان عدم نفعها للكفرة الذين كانوا يتعززون بها والمراد بالناس: الجنس (حب الشهوات) الشهوة: نزوع النفس إلى ما تريده والمراد ههنا المشتهيات عبر عنها بالشهوات مبالغة في كونها مشتهاة مرغوباً فيها كأنها نفس الشهوات أو إيذانا بانهماكهم في حبّها بحيث أحبوا شهواتها كما في قوله تعالىٰ (اني احببت حب الخير) أو استرذالاً فإن الشهوة مسترذلة مذمومة من صفات البهائم.... والحكمة في ذلك ابتلائهم قال تعالىٰ: اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ الآية فإنها ذريعة لنيل سعادة الدارين عند كون تعاطيها على نهج الشريعة الشريفة، ووسيلة إلى بقاء النوع. (ج:٢، ص:١٤)

(٣)- والأصح أن معناه: أن كل مولود يولد متهيأ للإسلام، فمن كان أبواه أو أحدهما مسلما استمر على الإسلام في أحكام الآخرة والدنيا، وإن كان أبواه كافرين جرى عليه حكمهما في أحكام الدنيا و هذا معنىٰ "يهودانه و ينصرانه و يمجسانه، أي يحكم له بحكمهما في الدنيا فإن بلغ استمر عليه حكم الكفر و دينهما فإن كانت سبقت له سعادة أسلم والامات على كفره وإن مات قبل بلوغه فهل هو من أهل الجنة أم النار أم يتوقف فيه؟ والأصح: أنه من أهل الجنة. (المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج)

(٤)- "جاء في شرح صحيح البخاري لابن بطال (٩/

٣٠٢) قال الطبری: ومعنیٰ قوله: "يسّروا ولا تعسّروا فيما كان من نوافل الخيردون ما كان فرضا من الله و فيما خفف الله عمله من فرائضه فی حال العذر كالصلاة قاعدا فی حال العجز عن القيام وكالإفطار فی رمضان فی السفر والمرض وشبه ذلك فيما رخص الله فيه لعباده، وأمر بالتيسير فی النوافل والإتيان بما لم يكن شاقا ولافادتها خشية الملل لها ورفضها، وذلك أن أفضل العمل إلى الله أدومه و إن قل. وقال عليه السلام لبعض أصحابه: "لاتكن كفلان كان يقول الليل فتركه." وقال القاری فی مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح (٦/ ٢٤٢١) "ويسّروا" أی سهلوا عليهم الأمور من أخذ الزكاة باللطف بهم. "ولاتعسروا" أی بالصعوبة عليهم بأن تأخذوا أكثر مما يجب عليهم، أو أحسن منه، أو بتتبع عوراتهم وتجسس حالاتهم و علّق عليه ابن حجر بقوله: المراد تاليف من قرب إسلامه، وترك التشديد عليه فی الإبتداء وكذلك الزجرُ عن المعاصی ينبغی أن يكون بتلطف ليقبل وكذا تعليم العلم ينبغی أن يكون بالتدر يج لأن الشيء إذا كان فی ابتدائيه سهلا حبب إلى من يدخل فيه وتلقاه بانبساط وكانت عاقبته غالباً الإزدياد."

(٥)- "ووجهه لوجاز اتباع أی مذهب شاء لأفضى إلى أن يلتقط رخص المذاهب متبعا هواه و يتخير بين التحليل والتحريم والوجوب والجواز وذلك يؤدی إلى انحلال ربقة التكليف بخلاف العصر الأول فإنه لم تكن المذاهب الوافية بأحكام الحوادث مهذبة وعرفت ، فعلى هذا يلزمه أن يجتهد فی اختيار مذهب يقلده على التيعيين." (المجموع شرح المهذب، ج:١، ص:٤٩٨، ٤٩٩، فصل فی آداب المستفتی والمفتی و صفته وأحكامه)

(٦)- ان هذه المذاهب الأربعة المدونة قد اجتمعت الأمة أو من يعتد به منها علیٰ جواز تقليدها إلى يومنا هذا وفی ذلك من المصالح مالا يخفى لاسيما فی هذه الأيام التی قصرت فيها الهمم وأُشربت النفوس الهویٰ وأعجب كل ذی رأی برأيه. (الإنصاف فی بيان أسباب الاختلاف، ص:٩٧)

☆☆☆☆

(ص:۲۴؍ کا بقیہ)... جہاں سو طلبہ کی گنجائش ہے، وہاں پچاس ہی رکھے جائیں اور اس بجٹ سے مدرسین کو اچھی تنخواہیں اور سہولیات فراہم کی جائیں۔ آج بین الاقوامی سطح پر مادیت کا جو طوفان اٹھا ہے اس پر بند تو نہیں باندھا جا سکتا، لیکن اس طوفان سے لڑنے کے لیے انہیں تیار ضرور کیا جا سکتا ہے اور یہ جنگ انہیں معاشی طور پر مستحکم کر کے ہی لڑی جا سکتی ہے۔ ہمارے بچوں کو اگر دینی تعلیم کے حصول سے خوشحال زندگی کی ضمانت ملنے لگے تو یقیناً مدارس کی تعمیر بھی ہوتی رہے گی اور توسیع بھی، علم و فن میں جلا بھی پیدا ہو گا اور فکر و نظر میں گہرائی بھی، اسی طرح اچھے علما معاشرے میں پیدا ہوتے رہیں گے، جو باعزت طریقے سے ملت کی مذہبی قیادت کر پائیں گے۔ اگر خدانخواستہ اس آواز کو مجنون کی بڑ سمجھ کر نظر انداز کر دیا گیا تو آنے والا وقت دین و مذہب کے حوالے سے نہایت خطرناک نتائج لے کر آنے والا ہے، پھر اس وقت غور و فکر کے سارے دروازے شاید بند ہو چکے ہوں گے۔ علما نے ہمیشہ طوفانوں کی زد پر دینی شوکتوں کا چراغ جلایا ہے، اس کام کے لیے نہ انہوں نے کبھی وسائل کے فقدان کا مرثیہ پڑھا اور نہ کارواں بننے کا انتظار کیا۔ آج جب مدارس کے حوالے سے دین کا تحفظ ناگزیر ہو گیا ہے تو اس کام کے لیے بھی کسی سیٹھ، ساہوکار یا منتظم ادارہ کی پیش قدمی کا انتظار وقت کی بربادی کے سوا کچھ نہیں۔ پورے ہندوستان میں دینی مراکز کا قیام کسی نہ کسی عالم دین کی ہی فکری اور عملی جدوجہد کا مظہر ہے اور ان کا انتظام و اہتمام بھی علما کے ہی ہاتھوں میں ہے۔ اس لیے اپنے علما کے معاشی استحکام کی تحریک کے لیے انہیں ہی قدم بڑھانا ہو گا۔ آج اگر مسلم معاشرہ اس کمزور روایت کی تبدیلی کو ہضم نہیں کر پاتا ہے تو اس کے ذمہ دار بھی ہم ہی ہیں۔ صدیوں سے آئیڈیل علما کے سلسلے میں بے لوثی، بے غرضی اور توکل کی حکایتیں اور روایتیں سنا سنا کر ہم نے اس کی بصارتوں کے ساتھ بصیرتوں کو بھی اتنا کمزور کر دیا ہے کہ نہ اسے علما کی مادی ضرورتوں کی چیخیں سنائی دیتی ہیں اور نہ ان کے بے آب چہروں کی کثافتیں دکھتی ہیں۔ اس لیے وہ خود تو کوٹھیوں اور عالی شان مکانوں میں زندگی کی جملہ آسائشوں کے ساتھ رہتا ہے اور علما کو جھونپڑیوں اور کرایے کے مکانوں میں دیکھنا پسند کرتا ہے۔ علما اور دیگر افراد کے درمیان اسی معاشی فرق نے معاشرے کے دلوں سے علما کے وقار کو ختم کر دیا ہے۔ اس لیے اس فاصلے کو مٹا کر علما کو سماج میں باعزت بنانے کے لیے خود انہیں ہی پیش رفت کرنی ہو گی اور معاشرے کے بوجھل کانوں اور آنکھوں کو اس کا عادی بنانا ہو گا۔ ☆☆☆☆

تعزیتی تاثرات

حضرت علامہ تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کا وصال پر ملال

عالمِ اسلام کے علما و مشائخ کے تعزیتی تاثرات

خانوادۂ رضویہ کے چشم و چراغ قاضی القضاۃ فی الہند تاج الشریعہ حضرت علامہ شاہ مفتی محمد اختر رضا قادری ازہری قدس سرہ العزیز [ولادت ۱۴؍ ذی قعدہ ۱۳۶۱ھ/ ۲۳؍ نومبر ۱۹۴۲ء— وصال ۶؍ ذی قعدہ ۱۴۳۹ھ/ ۲۰؍ جولائی ۲۰۱۸ء] کی شخصیت دنیاے سنیت میں بڑی اہمیت کی حامل تھی۔ آپ خاندانی وجاہت کے ساتھ ذاتی اوصاف و کمالات سے بھی سرفراز تھے، آپ عارف باللہ اور کامل ولی تھے، آپ کی شہرت و مقبولیت صرف برِ صغیر میں ہی نہیں بلکہ عرب و عجم کے کثیر ممالک میں تھی۔ آپ عہدِ حاضر میں ایک بڑے فقیہ اور جانشینِ مفتیِ اعظم تھے۔ تاج الشریعہ آپ کا خطاب تھا اور قاضی القضاۃ فی الہند آپ کا منصب تھا۔ کسی بھی دینی موضوع پر آپ کی تحریر سند کا درجہ رکھتی تھی۔ آپ کے وصالِ پر ملال کے بعد ملک اور درجنوں دیگر ممالک میں آپ کے لیے قرآن خوانی اور ایصالِ ثواب کیا گیا، دین و دانش کی بلند پایہ شخصیات اور مشائخ کبار نے گراں قدر تعزیت نامے لکھے، ان سب کی تعداد تو ہزاروں میں ہے، چند اہم شخصیات کے تاثرات جو ہمیں موصول ہوئے، ہم انتہائی غم کے ساتھ ذیل میں انھیں پیش کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمام پس ماندگان، خاص طور پر اہلیہ محترمہ دامت برکاتہا العالیہ اور جانشین تاج الشریعہ دامت برکاتہم القدسیہ کو صبر و شکر کی توفیقِ رفیق عطا فرمائے، دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ان کے مریدین و متوسلین اور جہانِ اہلِ سنت کے تمام افراد کو صبرِ جمیل سے سرفراز فرمائے اور حضرت تاج الشریعہ قدس سرہ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے ان کا نام، کام مزید روشن اور تاب ناک ہو اور ان کے فیض کا بحرِ ناپیدا کنار خوب خوب جاری رہے۔ آمین۔ بجاہ حبیبہ سید المرسالین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔ (ادارہ)

حضرت علامہ تاج الشریعہ کا وصال پر ملال

جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں تعزیتی اجلاس

مبارک پور، اعظم گڑھ (نامہ نگار) عالم اسلام کی ممتاز و مشہور شخصیت تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا قادری ازہری علیہ الرحمہ کے وصال پر پورا جامعہ سوگوار ہے، آج ہر آنکھ نم ہے، آپ کی علمی و دینی اور متاثر کن ذات سے ہمیں سبق سیکھنے کی ضرورت ہے، ان کا نقش پا مشعل زندگی ہے، اللہ ان کے درجات بلند فرمائے۔ ان خیالات کا اظہار جامعہ کے سربراہ اعلیٰ عزیز ملت علامہ شاہ عبد الحفیظ عزیزی نے جامعہ اشرفیہ کی عزیز المساجد میں منعقدہ ایک تعزیتی اجلاس میں کیا۔ موصوف نے علامہ تاج الشریعہ کے انتقال کو ملت کا عظیم سانحہ قرار دیا ۲۰؍ جولائی بعد مغرب شہر بریلی شریف میں ان کا وصال ہوا، اطلاع ملتے ہی نماز عشا کے بعد عزیز المساجد میں محفل ایصال ثواب منعقد ہوئی، بعد فجر اجتماعی قرآن خوانی کا اہتمام کیا گیا، صبح آٹھ بجے کے بعد پھر اجتماعی قرآنی خوانی اور تعزیتی اجلاس کا انعقاد ہوا، پروگرام کا آغاز تلاوت قرآن سے ہوا بعدہ نعت پاک پیش کی گئی۔ پھر پہلا تاثراتی خطاب استاذ جامعہ اشرفیہ، خلیفہ تاج الشریعہ مفتی محمد شمس الہدیٰ مصباحی کا ہوا، آپ نے فرمایا: کہ تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کا وصال ایک زریں عہد کا خاتمہ ہے، جامعہ اشرفیہ اور خانوادہ رضویہ کے روابط ایک زمانے سے قائم رہے ہیں، آج پوری دنیا میں جامعہ اشرفیہ مسلک امام احمد رضا کا سب سے بڑا علمی ترجمان ہے اور مصباحی برادران ہندو بیرون ہند ان کے افکار کو منضبط انداز میں عام کر رہے ہیں۔

جامعہ کے صدر شعبہ افتا و صدر المدرسین مفتی محمد نظام الدین رضوی نے اپنے تعزیتی خطاب میں فرمایا: کہ آج سارے عالم اسلام کے لیے بڑے ہی قلق اور قلبی اضطراب کی بات ہے کہ ہم سے تاج الشریعہ علامہ مفتی اختر رضا ازہری علیہ الرحمہ رخصت ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت کی علمی و روحانی شخصیت خانوادہ امام احمد رضا کی انتہائی معروف ذات تھی، جنھوں نے مفتی افضل حسین مونگیری اور مفتی اعظم ہند سے باقاعدہ فقہ و افتا کی تربیت لی اور مرشد گرامی کے فقہی و روحانی فیوض سے مالا مال ہوئے اور اپنے وقت کے جید فقہا و مفتیان کرام میں شمار ہوئے، ان کی عربی، اردو، انگریزی تصانیف، عربی و اردو تراجم، سمیناروں کے مقالات اور فقہی و علمی شہ پارے ان کی یادگار ہیں، جن کی تعداد تیس سے زیادہ ہے۔ حضرت مفتی موصوف نے یہ بھی فرمایا کہ شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کو جو مقبولیت آخر کے پچیس سالوں میں عطا فرمائی اللہ تعالیٰ نے وہ مقبولیت حضرت علامہ ازہری کو شروع ہی میں عطا

فرمادی۔ ”آپ کی ذات ایک پرکشش ذات تھی، جو آپ کے چہرے کو دیکھ لیتا اس کا دل کشاں کشاں ان کی طرف مائل ہوتا آج ہندو بیرون ہند میں ان کے مریدین وخلفا لاکھوں کی تعداد میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ خانوادہ رضویہ کو مرجع اہل سنت وجماعت کا مزید بلند مقام عطا فرمائے، آمین۔

آپ نے ۱۹۹۲ء میں شہر ممبئی میں حضور تاج الشریعہ سے ملاقات کا واقعہ ذکر فرمایا جس سے ان کے علمی کمال وفقہی جودت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ آخری خطاب سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ کا ہوا جس میں آپ نے حضور تاج الشریعہ کے وصال پر اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار فرمایا اور طلبہ کو نصیحت فرمائی کہ آپ جس بڑی شخصیت سے گہری عقیدت رکھتے ہیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں اور ان کے علمی وقلمی سرمایے کی حفاظت کریں، یہ ان کی بارگاہ میں بہت بڑا خراج عقیدت ہے۔ پھر صلاۃ وسلام، قل شریف اور عزیز ملت کی دعا پر یہ اجلاس ختم ہوا۔ جامعہ میں دو روزہ تعطیل کا اعلان ہوا۔ نظامت مفتی زاہد علی سلامی نے کی، جامعہ کے اساتذہ وطلبہ جنازہ میں شرکت کے لیے روانہ ہو چکے ہیں۔

اس موقع پر مفتی محمد معراج القادری، مولانا مسعود احمد برکاتی، مولانا نفیس احمد مصباحی، مولانا ناظم علی مصباحی، مولانا صدر الوریٰ قادری، مولانا احمد رضا مصباحی، مولانا نعیم الدین عزیزی، مولانا اختر کمال قادری، وغیرہ سمیت اساتذہ اشرفیہ شریک محفل رہے۔ از: **رحمت اللہ مصباحی**

نمائندہ روزنامہ انقلاب، لکھنؤ

ازہری میاں کا وصال دنیائے سنیت کا عظیم نقصان

از: امینِ ملت پیر طریقت حضرت سید محمد امین میاں برکاتی دامت برکاتہم القدسیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

وارثِ علومِ اعلیٰ حضرت، قائم مقام حضور مفتی اعظم ہند، حضرت علامہ اختر رضا خاں صاحب ازہری میاں کل وصال فرماگئے۔

عرش پر دھومیں مچیں وہ مومنِ صالح ملا
فرش پر ماتم اٹھے وہ طیب و طاہر گیا

ازہری میاں کا وصال دنیائے سنیت کا عظیم نقصان ہے، جس کی تلافی ممکن نہیں۔ حضرتِ والا کا خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ سے پانچ پشتوں سے تعلق تھا۔ والد ماجد حضور احسن العلما علیہ الرحمۃ نے ازہری میاں کو جملہ سلاسل طریقت کی خلافت واجازت سے نوازا تھا۔ میں دل کی گہرائیوں سے مولوی عسجد رضا خاں صاحب، ان کے اہل خاندان اور جملہ احبابِ اہلِ سنت کو تعزیت پیش کرتا ہوں۔ ربّ ذوالجلال ان کا بدل عطا فرمائے اور ان کے درجات بلند تر فرمائے۔ آمین بجاہ الحبیب الامین ﷺ۔

پروفیسر سید محمد امین

خادم سجادہ درگاہ قادریہ برکاتیہ، مارہرہ شریف، ضلع ایٹہ

تعزیت نامہ

از: شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں الاشرفی الجیلانی کچھوچھوی دامت برکاتہم العالیہ۔

معتمد ذرائع سے افسردہ خبر ملی کہ امام اہلِ سنت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شہزادے عالمِ اسلام کے مشہور ومعروف عالمِ دین مفتی اختر رضا خان ازہری صاحب نور اللہ تعالیٰ مرقدہ جانشین حضور مفتیِ اعظم ہند علیہ الرحمۃ اس دنیائے فانی میں نہ رہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مفتی اختر رضا ازہری صاحب کی رحلت بلا شبہہ علمی وروحانی دنیا میں عظیم خلا ہے جس کا پر ہونا مستقبل قریب میں نظر نہیں آتا۔ ازہری صاحب نے دین وسنیت اور رشد وہدایت کی جو خدمات انجام دی ہیں یقیناً وہ تاریخ کا ایک اہم حصہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ ازہری صاحب کے ذریعہ دین وسنیت کی راہ میں کی گئی ہر چھوٹی بڑی خدمات قبول فرمائے، آمین! اور ان کے شہزادے عزیز مکرم مولانا عسجد رضا خان اور دیگر پسماندگان، مریدین، معتقدین اور خلفا، تمام کو اللہ رب العزت صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

سید محمد مدنی الاشرفی الجیلانی

آستانہ عالیہ محدثِ اعظم ہند، کچھوچھہ مقدسہ

شریکِ غم: **سید محمد قاسم اشرفی جیلانی** کچھوچھوی

قائد اعلیٰ مدنی میاں عربک کالج، ہبلی

سید محمد حسن عسکری اشرف اشرفی جیلانی کچھوچھوی

سجادہ نشین آستانہ محدثِ اعظم ہند وسربراہِ اعلیٰ مدنی میاں عربک کالج، ہبلی

سید محمد حمزہ اشرف اشرفی کچھوچھوی

جانشین حضور شیخ الاسلام والمسلمین، معتمدِ اعلیٰ مدنی میاں عربک کالج، ہبلی

صد حیف! میرِ کارواں جاتا رہا

از: صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دامت برکاتہم العالیہ ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خاں ازہری کی رحلت کا غم صرف

ایک خاندان، ایک شہر یا ایک ملک کا غم نہیں بلکہ ان کی جدائی پر پوری ملت سوگوار ہے۔

دنیا کے مختلف ممالک اور بے شمار خطوں میں ان کے وصال کے بعد ہی سے تعزیتی جلسوں اور فاتحہ و ایصال ثواب کا سلسلہ جاری ہے۔ آج ۷ر ذی قعدہ ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۱ر جولائی ۲۰۱۸ء سنیچر کی صبح کو الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں بھی تلاوتِ قرآن، ایصالِ ثواب اور تعزیت کی محفل دیر تک منعقد ہوئی پھر علما و طلبہ کی کثیر تعداد نمازِ جنازہ میں شرکت کے لیے بریلی شریف روانہ ہوگئی اور جامعہ میں آج اور کل کی تعطیل کر دی گئی۔

میں اپنے متعلقہ تمام اداروں کی طرف سے حضرت تاج الشریعہ علیہ الرحمۃ کے اہلِ خاندان کو خصوصاً اور پوری ملت کو عموماً تعزیت پیش کرتا ہوں، مولا تعالیٰ سب کو صبرِ جمیل و اجرِ جزیل سے نوازے اور حضرت کے روحانی و علمی فیضان سے سب کو مستفیض و مستنیر فرمائے۔

شریکِ غم: محمد احمد مصباحی

ناظمِ تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور/صدر مجلس شرعی مبارک پور/ نگراں مجلس برکات مبارک پور/ناظم المجمع الاسلامی، مبارک پور/صدر انجمن امجدیہ و مدرسہ عزیزیہ خیر العلوم، بھیرہ، ولید پور، ضلع مئو/سرپرست مرکزی دار القراءات، ذاکر نگر، جمشید پور۔

تعزیت نامہ

از خانقاہ اشرفیہ حسینیہ سرکارِ کلاں، کچھوچھہ شریف

مورخہ ۱۱ ذو القعدہ ۱۴۳۹ھ بمطابق ۲۴ر جولائی ۲۰۱۸ء

عزیز القدر مولانا عسجد رضا خاں صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۷ر ذو القعدہ ۱۴۳۹ھ بمطابق ۲۰۱۸ء کی شام نہ صرف خانوادہ رضویہ کے لیے شامِ غم بن کر آئی بلکہ پوری جماعت اہلِ سنت کے لیے رنج والم کا پیغام لے کر آئی کہ آپ کے والدِ گرامی عالمی شہرت یافتہ علمی وعبقری شخصیت، امینِ علومِ اعلیٰ حضرت، حضرت علامہ مفتی اختر رضا خاں ازہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موت برحق ہے اور ہر نفس کو اس کا مزہ چکھنا ہے، موت ایک ایسا پُل ہے جس کو عبور کر کے ہی مومن وصالِ حبیب کی لذتوں سے شاد کام ہوسکتا ہے۔ لکل امة اجل إذا جاء اجلهم فلا يستاخرون ساعة ولا يستقدمون. ہمارے رب کا اٹل فیصلہ ہے، جس کے سامنے ہم سب کے سرِ تسلیم خم ہیں۔ صبر و شکر مومن کا ہتھیار ہے۔

آپ کے والد ماجد کے وصال پر ملال پر ہم آپ کے رنج و غم میں شریک ہیں، پورے خانوادہ رضویہ اور خصوصاً آپ کو تعزیت پیش کرتے ہوئے اللہ غفور و رحیم سے دست بدعا ہیں کہ اپنے حبیبِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کی آلِ اطہار کے وسیلے سے حضرت ازہری میاں کی جملہ دینی، علمی خدمات و حسنات کو قبول فرمائے۔ ان کی مغفرت فرما کر انھیں جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائے، ان کے جملہ پس ماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین ، یا مجیب دعوة المظر ین بوسیلة نبیك و رسولك سید المرسلین والصلاة والسلام علیه و علیٰ صحبه و عترته و ذوی قرابته اجمعین.

شریکِ غم: فقیر اشرفی و گدائے جیلانی، ابو المختار **سید محمود اشرف**

سجادہ نشین خانقاہ عالیہ اشرفیہ، درگاہ کچھوچھہ شریف

تعزیت بر وفات وارثِ علوم اعلیٰ حضرت

یہ قانونِ قدرت ہے کہ ہر ذی روح کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور غیر دائمی دنیا میں چند دن عارضی زندگی گزارنے کے بعد توشۂ آخرت کے ساتھ ابدی دنیا کی طرف رختِ سفر باندھنا ہے، لیکن اس دنیا میں کچھ شخصیات ایسی بھی ہوتی ہیں جن کی حیاتِ طیبہ قوم و ملت کی امانت ہو جاتی ہے، ان کی رحلت سے ایسا خلا پیدا ہو جاتا ہے جس کی کمی مدتوں تک محسوس کی جاتی ہے۔

ایسی ہی انتہائی معتبر، علمی، عملی اور عبقری شخصیت تاج الشریعہ کی تھی، جن کی رحلت پر حسرت سے صفِ اہلِ سنت و جماعت میں ایک ایسا خلا پیدا ہو گیا جس کی بھرپائی مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ علومِ دینیہ کے اس آفتاب عالم تاب نے ملک و بیرون ملک کو اپنی ضیا پاشیوں سے بقعۂ نور کرنے میں اپنی حیاتِ مستعار کا کوئی لمحہ فروگذاشت نہیں کیا، مگر آخر کار اس مسیحائے وقت نے بھی جان جانِ آفریں کو سپرد کر کے ہمیشہ کے لیے اپنے مالکِ حقیقی کا قرب حاصل کر لیا۔ إنا لله و إنا إلیه راجعون.

ابرِ رحمت ان کے مرقد پر گہر باری کرے
حشر تک شانِ کریمی ناز برداری کرے

خدائے غفور و رحیم کی بارگاہ میں دعاگو ہیں کہ حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمۃ کے درجات میں رفعت و بلندی عطا فرمائے، جنت الفردوس کو ان کا مستقر بنائے، اہلِ سنت و جماعت کو بالعموم و اہلِ خاندان کو بالخصوص صبرِ جمیل عطا فرمائے اور تاقیامت ان کا فیضان اہلِ سنت و

جماعت پر جاری وساری فرمائے۔آمین بطفیل حبیبہ الکریم علیہ الصلاۃ و التسلیم۔فقط والسلام

شریکِ غم:فقیر سید محمد جلال الدین اشرف اشرفی جیلانی

جانشین حضور اشرف الاولیاو سربراہ اعلیٰ مخدوم اشرف مشن پنڈوہ شریف،مالدہ(بنگال)

تعزیت نامہ از خانقاہ رشیدیہ جون پور

جمعۂ مبارکہ کے دن نماز مغرب کے بعد نبیرۂ اعلیٰ حضرت، جانشین مفتیِ اعظم ہند، حضرت مولانا مفتی شاہ محمد اختر رضا خان صاحب قادری ازہری کے وصال کی خبر موصول ہوئی۔ إنا للہ و إنا إلیہ راجون. سن کر بہت افسوس ہوا۔ مولا تعالیٰ موصوف کی مغفرت فرماکر جنت میں اعلیٰ مقام عطافرمائے۔آمین۔

حضرت موصوف خانوادۂ رضویہ کے نام ور فرد تھے، اعلیٰ حضرت شاہ امام احمد رضاخاں قادری بریلوی قدس سرہ کے سلسلۂ علمی وروحانی کے اہم ستون تھے اور جماعت اہلِ سنت کے معروف عالم دین بھی۔آپ کے انتقال سے جماعت اہلِ سنت میں ایک بڑا خلا واقع ہوا ہے۔آپ نے مختلف جہات سے دین و مسلک کی خدمات انجام دی ہیں جو بلا شبہ قابلِ قدر ہیں۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ان کے پس ماندگان اور جملہ لواحقین کو صبرِ جمیل عطافرمائے۔آمین بجاہ نبیہ الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم.

شریکِ غم:فقیر محمد عبید الرحمٰن رشیدی عفی عنہ۔

خادم خانقاہ رشیدیہ جون پور(یوپی)

مورخہ ۸/ ذی قعدہ ۱۴۳۹ھ/۲۲/ جولائی ۲۰۱۸ء

دار القلم نئی دہلی میں جلسۂ عام بیادِ حضرت تاج الشریعہ

نئی دہلی۔۲۳/ جولائی۔تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی اختر رضا خاں قادری ازہری،بریلوی کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے الجامعۃ القادریہ، دارالقلم، ذاکر نگر، نئی دہلی میں ایک جلسۂ عام کا انعقاد ہوا، جس میں جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی و دیگر یونیورسٹیوں کے طلبہ و ائمۂ مساجد اور جامعہ نگر کے علما اور عوام وخواص نے شرکت کی اور حضرت تاج الشریعہ کے وصال پر رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے ان کے وصال کو ملتِ اسلامیہ کا بڑا دینی خسارہ بتایا۔قاری انوار احمد استاذ جامعہ ہذا کی تلاوت سے جلسہ کا آغاز ہوا پھر قاری رضوان قادری نے حضور تاج الشریعہ کی لکھی ہوئی نعت سے سامعین کو محظوظ کیا۔نظامت کے فرائض، مولانا اشرف الکوثر مصباحی(ریسرچ اسکالر جامعہ ملیہ اسلامیہ) نے انجام دیے۔مفکرِ اہل سنت، مولانا یٰسین اختر مصباحی نے اپنے صدارتی خطاب میں کہا کہ:

حضرت تاج الشریعہ علامہ ازہری میاں، خانوادۂ رضویہ کے عظیم علمی وروحانی فرزند تھے۔آپ، امام احمد رضا فاضل بریلوی کے علوم کے سچے اور حقیقی دائی و وارث تھے۔حضور مفتی اعظم، علامہ الشاہ مصطفی رضا قادری کے جانشین تھے۔آپ نے اپنی پوری زندگی، علم و روحانیت کی زبردست مثالی خدمت، انجام دی۔عظیم منصوبے پر مبنی آپ کا قائم کردہ ادارہ جامعۃ الرضا بریلی ایسا شاندار دینی وعلمی کارنامہ ہے، جسے رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا۔آپ نے درجنوں علمی وفقہی تصانیف، حواشی اور تراجم سے علمی دنیا کو فیض یاب کیا،اور یہ دینی وعلمی خدمات، ہمیشہ قوم کی دینی رہنمائی کا فریضہ، انجام دیتی رہیں گی۔

انجینئر سید فضل اللہ چشتی، چیئرمین، فلاح فاؤنڈیشن، نئی دہلی نے حاضرین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ: تاج الشریعہ، ایک سچے عاشق رسول تھے۔آپ کا نعتیہ دیوان، سفینۂ بخشش آپ کی شاعرانہ عظمت پر منہ بولتا ثبوت ہے۔آپ ایک عالمِ باعمل تھے۔اپنے بزرگوں کی یادگار تھے۔ خانوادۂ رضویہ، بریلی شریف کی آبرو اور جماعت اہلِ سنت کا وقار تھے۔

مولانا اقلیم رضا مصباحی نے کہا: حضرت تاج الشریعہ، عربی زبان و ادب پر، کامل دسترس رکھتے تھے۔ آپ کی عربی دانی اور علوم میں مہارت کا اعتراف، دنیا کے بڑے بڑے اہل علم نے کیا ہے۔آپ نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری کی کتابوں کے جو عربی زبان میں ترجمے کیے ہیں وہ آپ کی عربی زبان وادب میں مہارت کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔

ان حضرات کے علاوہ، متعدّد اہلِ علم نے حضرت تاج الشریعہ کی علمی، دینی اور قلمی خدمات پر روشنی ڈالی۔

شرکائے جلسہ میں مولانا محمد ظفر الدین برکاتی، ایڈیٹر ماہ نامہ کنز الایمان دہلی، مولانا ارشاد عالم نعمانی، مولانا شہباز عالم مصباحی، مولانا نیاز احمد مصباحی، ماسٹر نورالضحیٰ پوکھریروی، مولانا امجد رضا علیمی، مولانا فیضان احمد نعیمی، خطیب و امام قادری مسجد، مولانا محمد عمران ازہری، خطیب وامام رضا مسجد ذاکر نگر نئی دہلی، مولانا زین اللہ نظامی، خطیب وامام غوثیہ مسجد جسولہ وہار، نئی دہلی، مولانا سید عتیق عالم ازہری پرنسپل جامعہ حضرت نظام الدین اولیا، نئی دہلی، مولانا طارق بریلوی، مولانا نبیل اختر آفاقی، قاری محمد آفتاب، مسجد خلیل اللہ بٹلہ ہاؤس، ایڈوکیٹ شاہنواز وارثی، توفیق مصباحی، اے

این آئی، مولانا ابرار رضا مصباحی، آسی فاؤنڈیشن نئی دہلی، مولانا معراج احمد مصباحی، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی، مولانا منظر امین مصباحی، مولانا انظار احمد مصباحی، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی، مولانا عبد الباری برکاتی کے علاوہ الجامعۃ القادریہ دارالقلم کے سبھی اساتذہ وطلبہ اور اہل سنت اکیڈمی، ذاکر نگر نئی دہلی کے بہت سے اراکین و ممبران، شریک رہے۔ اخیر میں صلوۃ و سلام اور حضرت مصباحی صاحب کی دعا پر جلسہ کا اختتام ہوا۔

جاری کردہ　　　　　　بتاریخ

محمد آصف جمال مصباحی　　　　۱۰؍ ذوالقعدہ ۱۴۳۹ھ

دارالقلم، ذاکر نگر، نئی دہلی ajkhan1991@gmail.com

ویران میکدہ ہے کہ ساقی خموش ہے

حضور تاج الشریعہ کی وفات حسرت آیات پر عالم اسلام غم واندوہ میں ڈوب گیا

مورخہ ۲۰؍ جولائی ۲۰۱۸ء بروز جمعہ ذیقعدہ ۱۴۴۹ھ بعد مغرب خانوادۂ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ (متوفی ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء) کی عظیم شخصیت، جانشین مفتی اعظم ہند، قاضی القضاۃ فی الہند، تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا قادری ازہری اس جہانِ فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کر گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

وہ کیا گئے کہ سارا زمانہ خموش ہے

آپ اس وقت فقہ و فتویٰ میں یادگار اعلیٰ حضرت اور زہد تقویٰ میں پرتو سرکار مفتی اعظم ہند تھے، تنہا پوری جماعت اہل سنت کے مرجع تھے، پیر طریقت ایسے تھے کہ ہندوستان میں جن کی مثال نہیں، جزئیات فقہ پر کامل عبور حاصل تھا، بیشمار جزئیات نوک زبان پر تھے، آپ کے اٹھ جانے سے صرف بریلی نہیں، صرف ہندوپاک نہیں، بلکہ پورا عالم اسلام سوگوار اور غم زدہ ہے، مریدین و معتقدین اور خلفاو مسترشدین، عاشقان اعلیٰ حضرت اور احباب اہل سنت غم و اندوہ کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبے ہوئے ہیں، سب فکر مند ہیں کہ اب ہمارے دکھوں کا مداوا کون بنے گا، شریعت وطریقت کی راہ میں ہماری پیشوائی کون کرے گا، خداے قادر و وھاب ہی اپنے فضل عظیم سے ہمیں نعم البدل عطا فرمائے، آمین۔

یوں تو سارے سنی مسلمان سوگوار ہیں، لیکن آپ کے نجل وخلف حضرت مولانا عسجد رضا قادری اور خانوادے کے دیگر افراد کے اوپر جو کوہ غم گرا ہے، اسے کچھ وہی لوگ محسوس کر سکتے ہیں، مولاے کریم سب کو صبر عطا فرمائے اور انکے روحانی فیوض وبرکات سے ہمیں مالا مال کرے۔ آمین

حضور تاج الشریعہ کی ولادت ۲۶ محرم الحرام ۱۳۶۲ھ /۲ فروری ۱۹۴۳ء بروز سہ شنبہ (منگل) کو ہوئی، اس طرح آپ کی عمر شریف نے سنہ ہجری کے اعتبار سے ۷۷؍ بہاریں دیکھیں، اور سن عیسوی سے ۷۵۔

آپ نے ابتدائی تعلیم والد گرامی حضرت علامہ شاہ ابراہیم رضا جیلانی میاں (بن حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا بن اعلیٰ حضرت امام احمد رضا) سے حاصل کی پھر دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف کے اساتذہ سے درس نظامی کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد جامعۃ الازہر قاہرہ مصر گئے، اور وہاں کے اساتذہ سے علمی استفادہ کیا، اور ۱۹۶۶ء میں سند سے سرفراز ہو کر واپس لوٹے۔

آپ کے اساتذہ میں یہ حضرات قابل ذکر ہیں:

(۱) سرکار مفتی اعظم ہند علامہ شاہ مصطفیٰ رضا خان نوری (شہزادۂ اعلیٰ حضرت) (۲) والد گرامی مفسر اعظم حضرت علامہ ابراہیم رضا جیلانی میاں (۳) بحر العلوم مفتی محمد افضل حسین مونگیری (استاذ دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف (۴) ریحان ملت مولانا ریحان رضا خان (برادر اکبر) (۵) مولانا مفتی حافظ جہان گیر احمد خان فتحپوری، علیہم الرحمۃ والرضوان۔

میں اپنے اداروں، دارالعلوم قادریہ چریا کوٹ، المجمع الاسلامی مبارک پور اور مرکز اشاعت کنز الایمان نشان اختر ممبئی اور اس کے بانی الحاج عمران دادنی رضوی کی طرف سے جملہ پسماندگان کو تعزیت و تسلی کے کلمات پیش کرتا ہوں، جب کہ میں خود ہی ہجوم غم میں گرفتار ہوں۔

از: (مولانا) محمد عبد المبین نعمانی قادری

مہتمم دار العلوم قادریہ، چریا کوٹ، مئو

تاج الشریعہ خانوادہ رضویہ کی ناقابل فراموش یادگار

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ کا اظہارِ غم

جانشین مفتی اعظم ہند تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خان ازہری علیہ الرحمہ والرضوان کی شخصیت مختلف جہتوں سے انفرادیت کی حامل تھی۔ ہم ان کی حیات ظاہری میں بھی متعدّد بار شرف نیاز حاصل کر چکے ہیں۔ ان کی پیاری باتیں نورانی چہرہ اور دلکش ادائیں ایک ایک کر کے یاد آ رہے ہیں بلاشبہ آپ بریلی شریف کی آبرو تھے. اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم و عمل، فقہ و

تفسیر اور زہد و تقویٰ میں بڑا کمال عطا فرمایا تھا۔ فتویٰ نویسی میں بلند مقام رکھتے تھے، اسی کے ساتھ نازک خیال اور عشق رسول ﷺ سے سرشار شاعری بھی فرماتے تھے۔ امام احمد رضا محدث بریلوی اور مفتی اعظم ہند کے بعد آپ اہم ترین شاعر تھے۔ آپ کی آواز بڑی دلکش اور پرکشش تھی، جب آپ نمازوں میں تلاوت فرماتے تھے تو مقتدیوں کے دل و دماغ متاثر ہو جاتے تھے۔ ہم نے انہیں بار بار جلسوں میں نعت پڑھتے ہوئے بھی سنا ہے ان کی مترنم آواز میں اشعار سن کر مجمع جھوم جاتا تھا۔ مذکورہ خیالات کا اظہار ماہنامہ اشرفیہ کے چیف ایڈیٹر حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی نے اپنے تعزیتی بیان میں کیا۔ انھوں نے مزید کہا کہ وہ علم و اخلاق کے پیکر اور متانت و سنجیدگی میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ انہوں نے ان تمام اوصاف کے ساتھ درجنوں عربی اور اردو میں کتابیں لکھیں۔ مسائل شرعیہ میں بڑی گہرائی اور ہماگیری تھی۔ انھوں نے اپنے بزرگ امام احمد رضا قدس سرہ کی متعدد کتابوں کے عربی سے اردو اور اردو سے عربی میں تراجم بھی فرمائے، آپ نے مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا بریلی شریف کے نام سے ایک وسیع اور عظیم ادارہ بھی قائم فرمایا۔ شرعی کونسل آف انڈیا کے نام سے ایک عظیم جدید فقہی مسائل کے حل کے لیے بھی ایک تحریک شروع فرمائی جس کے زیر اہتمام برسوں سے سالانہ فقہی سمینار بھی ہوتا رہا ہے۔ حضرت کی شخصیت خانوادہ رضویہ کی ایک ناقابل فراموش یادگار ہے آپ کے انتقال سے نہ صرف برصغیر بلکہ دنیا کے بیشتر ممالک غم زدہ ہیں مختلف میدانوں میں آپ کے گراں قدر کارنامے آپ کی بلند پایہ علمی و عملی شخصیت کی یاد دلاتے رہیں گے، ہم نے اپنی زندگی میں مقبولیت میں انہیں بلند چوٹی پر فائز دیکھا۔ اس وقت ہمیں آپ کے یہ اشعار یاد آ رہے ہیں۔

میری میت پہ یہ احباب کا ماتم کیا ہے
شور کیسا ہے یہ اور زاریِ پیہم کیا ہے
کچھ بگڑتا تو نہیں موت سے اپنی یارو
ہم صفیران گلستاں نہ رہے ہم کیا ہے

از: **رحمت اللہ مصباحی**۔ نمائندہ روزنامہ انقلاب، وارانسی

جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف میں تعزیتی نشست

(پھپھوند، پریس ریلیز) تاج الشریعہ حضرت علامہ الشاہ محمد اختر رضا خاں ازہری علیہ الرحمہ کے وصال پر ملال پر جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف میں مخدوم گرامی حضرت علامہ شاہ سید محمد انور میاں سربراہ اعلی جامعہ صمدیہ کے حکم پر تعزیتی نشست کا انعقاد کیا گیا۔

جامعہ کے شیخ الحدیث حضرت علامہ مفتی محمد انفاس الحسن چشتی صاحب نے تعزیتی نشست سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت علامہ ازہری میاں صاحب قبلہ کا وصال ملک و ملت اور جماعت اہل سنت کے لیے ایک بہت بڑا سانحہ ہے، اور ان کے وصال سے اہل سنت کے درمیان جو خلا پیدا ہوا ہے بظاہر اس کی تلافی کی صورت نظر نہیں آتی، وہ اپنے وقت کے ایک عظیم محقق و مفتی اور افکار رضا کے بے باک ترجمان تھے، بلکہ آپ کی علمی شخصیت مرجع الفتاویٰ اور مرجع العلما تھی، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور مفتی اعظم ہند کے علمی اور روحانی وراثتوں کے سچے وارث و جانشین تھے، علم و فضل، زہد و تقویٰ، توکل و بے نیازی، سادگی و سادہ مزاجی، تصوف و روحانیت میں اقران و معاصرین میں ممتاز و نمایاں نظر آتے ہیں، جن کے دینی، مذہبی، قومی، ملی، علمی اور فکری خدمات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہے، عربی و اردو زبان میں جہاں آپ کی مختلف اور متعدد علمی اور قلمی شاہکار موجود ہیں وہیں جامعۃ الرضا آپ کی ایک عظیم الشان علمی یادگار ہے۔

حضرت علامہ الشاہ سید محمد انور میاں صاحب سربراہ اعلی جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف نے ان کے وصال کو عالم اسلام کا ایک عظیم خسارہ اور ناقابل تلافی نقصان بتلایا، انہوں نے فرمایا کہ مصیبت کی اس گھڑی میں ہم خانوادہ رضویہ کے جملہ افراد خصوصا حضرت ازہری میاں صاحب قبلہ کے پسماندگان اور مریدین و متوسلین، محبین و متعلقین کے لیے دعا گو ہیں کہ اللہ سب کو صبر و اجر سے نوازے، اور حضرت ازہری میاں صاحب کے مراتب و درجات کو بلند سے بلند تر فرمائے۔

تعزیتی نشست میں جامعہ کے تمام شعبوں کے طلبہ و اساتذہ، خصوصیت کے ساتھ مولانا غلام سبحانی چشتی ازہری، مولانا غلام جیلانی مصباحی، مولانا امیر الحسن چشتی، مولانا احکام چشتی، مولانا عابد چشتی، مولانا توقیر چشتی، مولانا مفتی آفتاب عالم چشتی، مولانا ابو سعید مصباحی، مولانا رشید الدین ازہری، مولانا شمشاد ازہری، مولانا رضاء الحق مصباحی، مولانا عبد السبحان مصباحی، قاری عبد الحمید چشتی، قاری رحمت چشتی، قاری ذاکر چشتی، قاری ایوب چشتی، قاری ہاشم چشتی، قاری سرتاج چشتی، قاری رحمت اللہ نظامی صاحبان شریک رہے۔

از: جامعہ صمدیہ، پھپھوند شریف

تعزیت نامہ

از: حضرت شیخ سید خالد الجیلانی القادری البغدادی

We were saddened to receive the news

of passing away oa Al-Allamah Mufti Akhtar Riza Khan Al-Qadiri.

Our deep condoleneces of his family, students and his lovers everywhere.

May Allah grant soul the highest position in Jannah together with HIS beloved prophets, Messengewrs and Awliaullah. Ameen.

Al Shaikh Al-Sayyeid Khalid Al-Jailani Al-Qadiri Al-Baghdadi
Darul Jailani International
Seyjdaa Nasheen
Baghdad Sharif (Iraq)

ترجمہ : علامہ مفتی اختر رضا خان قادری کے وصالِ پر ملال کی خبر سن کر ہمیں انتہائی رنج ہوا۔ ہم ان کے اہلِ خانہ ، طلبہ ، مریدین و متوسلین اور محبین کی خدمت میں دل کی گہرائیوں سے تعزیت پیش کرتے ہیں۔اور دعا کرتے ہیں کہ پروردگارِ عالم مرحوم کی روح پر فتوح کو اپنے انبیا و اولیا کے ہمراہ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔آمین۔

الشیخ السید خالد الجیلانی القادری البغدادی
دار الجیلان انٹرنیشنل
سجادہ نشیں بغداد شریف (عراق)

نوری مسجد بندھوا کلاں سلطان پور میں محفلِ تعزیت

نوری مسجد بندھوا کلاں سلطانپور میں حضور تاج الشریعہ کے انتقال پر ملال کی مناسبت سے ایک محفل تعزیت و ترحیم کا انعقاد کیا گیا۔ مولانا منظور احمد خاں عزیزی شیخ الحدیث جامعہ عربیہ سلطانپور نے سورۂ مریم کی ۹۶ویں آیت کی تلاوت فرما کر اسی کی تفسیر کی روشنی میں تاج الشریعہ کی زندگی کے خد و خال پر گفتگو فرمائی۔ تلاوت کردہ آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے یقینا جو لوگ ایمان پر قائم رہتے ہیں اور اعمال صالحہ بجالاتے ہیں رحمان ان کے لیے محبت پیدا کر دیتا ہے۔مذکورہ آیت کی تفسیر میں مفسرین بخاری و مسلم شریف کی حدیث پیش کرتے ہوئے تفسیر میں فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ ایمان اور اعمال صالحہ کی بنا پر جب کسی بندے کو اپنا محبوب بناتا ہے۔اس بات کا اظہار اللہ تعالیٰ سید الملائکہ جناب جبریل سے فرماتا ہے ۔ پھر جبریل آسمان میں اس بات کا اعلان کرتے ہیں شدہ شدہ یہ بات آسمان و زمین کی ساری مخلوق میں پھیل جاتی ہے۔پھر وہ شخص مخلوق خدا کا بھی نور نظر ہو جاتا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ اس تفسیر کی روشنی میں جب ہم نے

تاج الشریعہ مفتی الشاہ اختر رضا خان قادری ازہری علیہ الرحمہ کی زندگی کا مشاہدہ کیا تو عملاً علامہ موصوف اس کے مظہر نظر آئے۔میں نے ماضی قریب کے اپنے اکابر علما کی زبانی سنا کہ ازہری میاں کی مقبولیت عرب و عجم میں اپنی مثال آپ ہے۔ حضرت کبھی کبھی عوام کے غلوئے محبت کو دیکھ کبیدگی کا اظہار فرماتے اور نصیحت فرماتے تھے کہ قرآن و سنت پر عمل کرو یہی چیز تمہیں اللہ اور اس کے رسول کی بارگاہ کا مقرب بنا دیگی اور غلو سے اجتناب کیا کرو۔ علامہ ازہری میاں اردو، عربی، فارسی، انگریزی اور ہندی کے ماہر پنج لسانیات تھے اور اردو اور عربی میں اشعار کہتے تھے اور فتاوے تو پانچوں زبان میں دیتے۔سائل جس زبان میں سوال کرتا اسی کے مطابق اسی زبان میں جواب مرحمت فرماتے۔ چنانچہ آپکے انگریزی زبان میں لکھے گئے فتاوے کے ایک معتدبہ تعداد ہے۔خاندانی تعلیمی پس منظر کے مطابق آپ نے اولاً اپنے مورثین علمائے ربانین سے علم لیا۔ بعدہ جامعہ ازہر مصر تشریف لے گئے اور عالمی دانش گاہ جامعہ ازہر میں آپ نے ٹاپ کیا جس پر جامعہ ازہر نے آپ کو سند کے ساتھ ساتھ اوارڈ بھی تفویض کیا۔ مولانا عبید اللہ انصاری نے قرآن کی تلاوت کی اور فاتحہ خوانی پر جلسے کا اختتام ہوا۔

از۔ **محمد افتخار**

mohdeftekhar12345@gmail.com

مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن لکھنؤ میں محفلِ ایصالِ ثواب

جانشین مفتی اعظم ہند تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خاں ازہری میاں کے انتقال کی خبر ملتے ہی مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن شاہی مسجد بڑا چاند گنج کی فضا سوگوار ہو گئی اور تعلیم کا سلسلہ موقوف کر دیا گیا۔اپنے عظیم دینی پیشوا کو ایصال ثواب کرنے کے لیے ادارہ کے اساتذہ و طلبہ نے ہفتہ کی شب ہی سے قرآن پاک کی تلاوت اور دعاے مغفرت شروع کر دی۔۲۱/ جولائی صبح ۱۱/ بجے تعزیتی تقریب منعقد ہوئی جس کو خطاب کرتے ہوئے ادارہ کے صدر المدرسین قاری ذاکر علی قادری نے کہا کہ حضور ازہری میاں ایک عظیم دینی پیشوا، شریعت کے رہبر اور اعلیٰ حضرت و مفتی اعظم کے علوم کے حقیقی وارث اور ان کے مسلک و مشن کے سچے ترجمان تھے۔ مسلک اعلیٰ حضرت کے فروغ و ارتقا میں آپ نے جو آفاقی خدمات انجام دی ہیں اسے رہتی دنیا تک یاد کیا جائے گا۔انھوں نے کہا کہ اللہ نے آپ کو بے پناہ خوبیاں عطا فرمائی تھیں۔ آپ ایک عالم ربانی، عظیم فقیہ اور مقبول ترین شیخ طریقت و روحانی بزرگ تھے۔آپ کے مریدین و معتقدین پوری دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ آپ کی یہ مقبولیت خداداد تھی۔وقت کے بڑے بڑے

علما و فقہا فقہی و شرعی مسائل میں تاج الشریعہ سے رجوع کرتے تھے۔ تبلیغی اسفار اور کثیر مصروفیات کے باوجود آپ نے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھا، اردو اور عربی میں قریب پچاس کتب و رسائل سے زائد آپ کی تصنیفی یادگار ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کے فتاویٰ کئی جلدوں پر مشتمل ہیں۔ قاری ذاکر علی قادری نے اپنے شدید رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ حضور ازہری میاں کا انتقال جہان سنیت کے لیے عظیم سانحہ ہے۔ اللہ رب العزت مرشد گرامی کی تمام دینی خدمات کو قبول فرما کر آپ کے درجات بلند فرمائے اور مصیبت کی اس گھڑی میں آپ کے خانوادہ بالخصوص شہزادۂ گرامی علامہ عسجد رضا قادری کو صبر جمیل اور اہل سنت کو آپ کا بدل عطا فرمائے۔

قاری نور محمد اشرفی، مولانا محمد عرفان قادری، مولانا محمد عظیم ازہری اور دیگر اساتذہ نے بھی تاج الشریعہ کے وصال پر گہرے صدمے کا اظہار کرتے ہوئے تعزیت پیش کی۔ قبل ازیں قاری محمد ظہیر طائی نے ازہری میاں کی شان میں منقبت پیش کی۔ صلوٰۃ و سلام اور قل شریف کے بعد قاری ذاکر علی قادری نے حضرت کی روح کو ایصال ثواب اور بلندیِ درجات کے لیے خصوصی دعا کی۔ اس موقع پر قاری محمد ایوب اشرفی، قاری محمد ظفیر رضوی، قاری جمیل احمد نظامی، قاری محمد تبریز قادری، مولانا محمد فہیم مصباحی، مولانا سید نور محمد مصباحی، ماسٹر مظہر حسین، قاری فیض محمد قادری اور تمامی طلبہ خاص طور پر موجود تھے۔

hanfialucknow@gmail.com

وہی چراغ بجھا جس کی لو قیامت تھی

وارثِ علومِ اعلیٰ حضرت، جانشینِ مفتیِ اعظم ہند، سیدی سرکار تاج الشریعہ، علامہ اختر رضا خاں ازہری بریلوی علیہ الرحمہ کا وصال عالم اسلام کا ایک عظیم خسارہ اور ناقابلِ تلافی نقصان ہے، بلا شبہہ آپ کی رحلت کے ساتھ ہی علم و فضل کے ایک عہد کا خاتمہ ہوگیا۔ آپ خانوادۂ رضا کے علمی چشم و چراغ، عالمِ اسلام کے عظیم دینی پیشوا اور سوادِ اعظم کے مقتدا اور رہنما تھے۔

تاج دارِ اہلِ سنت، شہزادۂ اعلیٰ حضرت، حضور مفتیِ اعظم ہند علامہ مصطفیٰ رضا خاں بریلوی قدس سرہ کے بعد آپ کی شخصیت کو خاکِ ہند میں جو عام مقبولیت و مرجعیت حاصل ہوئی اس کی مثال دور دور تک نظر نہیں آتی۔ آپ کی صد رنگ شخصیت کا ہر پہلو نمایاں اور ممتاز ہے، جس جہت سے بھی آپ کی ذات بابرکات کا مطالعہ کیا جائے حیرت انگیز انکشافات ہوتے ہیں۔ علم و فضل، زہد و تقویٰ، توکل و بے نیازی، سادگی و سادہ مزاجی، علم پروری و علما نوازی اور تصوف و روحانیت وغیرہ اوصاف و کمالات میں آپ اپنے اقران و معاصرین میں ممتاز نظر آتے ہیں۔

آپ نے اپنی مسلسل علالت، بے پناہ مصروفیت اور کثیر دعوتی و تبلیغی اسفار کے باوجود جو عظیم علمی و تحقیقی کارنامے انجام دیے ہیں وہ بذاتِ خود حیرت انگیز ہیں۔ قحط الرجال کے اس دور میں آپ کی شخصیت عالمِ اسلام کے لیے عظیم نعمت تھی، آپ کے وصال سے عالمی و جماعتی سطح پر جو خلا پیدا ہوا ہے بظاہر اس کی تلافی مشکل نظر آتی ہے۔

مصیبت کی اس گھڑی میں یہ غلام، خانوادۂ رضویہ کے جملہ مخدومین خصوصاً شہزادۂ تاج الشریعہ حضرت مولانا عسجد رضا خاں صاحب قبلہ دام ظلہ کی بارگاہ میں تعزیت پیش کرتے ہوئے دعا گو ہے کہ اللہ جل شانہ حضور تاج الشریعہ کے درجات بلند فرمائے اور جملہ اہلِ خانہ، مریدین متعلقین، متوسلین اور مومنین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین۔

سوگوار- **محمد ساجد رضا مصباحی**

خادم التدریس اسلامیہ دار العلوم غریب نواز، داہو گنج کشی نگر

مدیر اعلیٰ سہ ماہی پیغامِ مصطفیٰ، اتر دیناج پور، بنگال

تاج الشریعہ نے تصوف و روحانیت، دین و دانش اور حدیث و فقہ کی گرانقدر خدمات انجام دی

تنظیم علامہ فضل حق خیر آبادی کے زیر اہتمام محلہ پورہ صوفی مبارک پور میں تعزیتی پروگرام سے مولانا مبارک حسین مصباحی کا خطاب

مبارک پور، اعظم گڑھ (نامہ نگار) تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خان ازہری نے تصوف و روحانیت، دین و دانش اور حدیث و فقہ کی گرانقدر خدمات انجام دیں، آپ امام احمد رضا محدث بریلوی کے پرپوتے اور حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے حقیقی نواسے تھے، آپ صرف نسبت و تعلق میں ہی عظیم نہیں تھے بلکہ محنت، خداداد قوت حافظہ اور ذہانت اور اپنے خاندانی بزرگوں کے روحانی فیوض و برکات سے مالامال تھے۔ آپ علوم اعلیٰ حضرت کے سچے وارث اور حضور مفتی اعظم ہند کے روحانی جانشین تھے، آپ نے اردو، عربی، انگریزی میں سیکڑوں فتاویٰ تحریر فرمائے، آپ کے فتاوی (المواهب الرضويه في الفتاوى الازهريه) المعروف بہ "فتاوی تاج الشریعہ" کے نام سے پانچ جلدوں میں باضابطہ مرتب ہو چکے ہیں۔ مذکورہ خیالات کا اظہار خلیفۂ تاج الشریعہ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی چیف ایڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور نے تنظیم علامہ فضل حق خیر آبادی کے زیر اہتمام جامع مسجد بلوریا محلہ پورہ صوفی، مبارک پور میں منعقدہ ایک عظیم الشان تعزیتی جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ مولانا موصوف نے مزید کہا کہ تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد جماعت اہل سنت میں بھی مکمل اتحاد نظر آیا یہ سب تاج الشریعہ قدس

سرہ العزیز کا فیضان ہے۔ انھوں نے ان افواہوں کو بے بنیاد قرار دیا کہ الجامعۃ الاشرفیہ اور بریلی کے مابین کوئی تنازعہ تھا۔ اس طرح کی باتیں صرف عوام میں گشت کر رہی تھیں جب کہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اور خاندان اعلیٰ حضرت کے مابین مسلسل رابطے جاری ہیں۔حضور تاج الشریعہ کی نماز جنازہ میں یہاں کے اساتذہ اور طلبہ نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ آپ کے وصال پر جامعہ میں دو دن کی تعطیل بھی کر دی گئی تھی۔ مولانا نے کہا کہ حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کے جنازے میں جو کثیر مجمع تھا اس خادم نے سرکار مفتی اعظم ہند کی نماز جنازہ کے بعد آج تک کسی جنازے میں نہیں دیکھا۔ آپ کے وصالِ پر ملال سے جامعہ اشرفیہ کے در و دیوار آج بھی سوگوار ہیں۔

مولانا جاوید چشتی نے کہا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی یاد میں جو کھو جاتے ہیں پروردگار عالم اسے بے نام نہیں رہنے دیتا بلکہ وہ اسے ایسی شہرت اور عزت و وقار عطا کر دیتا ہے کہ اہل جہاں اسے دیکھ کر یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ بیشک یہ پروردگار کا فضل و انعام ہے۔ یہ بھی پروردگار کا ایک خاص فضل ہی ہے کہ وہ اپنی بنائی ہوئی زمین کو نیک بندوں سے خالی نہیں رکھتا جس کی روشن مثال موجودہ وقت کے حضور تاج الشریعہ مفتی اختر رضا خاں علیہ الرحمۃ کی ذات ہے۔ جلسہ کا آغاز قاری شمیم اشرف کی تلاوت قرآن پاک سے ہوا، اس کے بعد مختار احمد اور نظام الدین نے بارگاہ رسالت میں منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔ صدارت مولانا شہاب الدین مصباحی اور نظامت ناظم الدین ابراہیم پوری نے کی۔ اخیر میں صلوٰۃ و سلام اور دعا پر جلسہ کا اختتام ہوا۔

اس موقع پر حاجی محمود اختر نعمانی، جمال اختر نعمانی، ضمیر احمد، اختر رضا نعمانی، محمد عظیم رضوی، مولانا محمد افروز، مولانا محمد اشرف، حاجی محمد یٰسین، احمد رضا اور محمد وسیم رضوی سمیت مذکورہ تنظیم کے جملہ ارکان کثیر تعداد میں موجود تھے۔

از: **رحمت اللہ مصباحی**، نمائندہ روزنامہ انقلاب، وارانسی

تاج الشریعہ شریعت کے پاسبان اور اہل سنت کی جان تھے

عالم اسلام کی نہایت ہی معروف و مقبول ترین اور عبقری شخصیت تاج الشریعہ بدر الطریقہ قاضی القضاۃ فی الہند علامہ الشاہ مفتی اختر رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان کا سانحہ ارتحال پوری دنیاے سنیت کے لیے ایک عظیم خسارہ ہے اور سواد اعظم اہلسنت و جماعت کے لیے ایک ناقابل تلافی نقصان ہے آپ کے وصال سے جماعت اہل سنت میں جو خلا پیدا ہوا اس کا پر ہونا بظاہر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے، آپ کی وفات حسرت آیات کی خبر پھیلتے ہی پورے عالم اسلام میں غم و الم کی لہر دوڑ گئی ہے اور میڈیا پر تعزیتی پیغامات کا انبار ہے عالم اسلام کے کونے کونے تک ہر خاص و عام کی زبان پر آپ کا ذکر جمیل اور گوناگوں خوبیوں کا چرچا ہے اور عقیدت مند امنڈتے ہوئے سیلاب کی طرح آپ کی نماز جنازہ میں شرکت کے لیے چلے آ رہے ہیں بھلا ایسا کیوں نہ ہو کیونکہ آپ کی شخصیت کوئی معمولی نہیں تھی بلکہ آپ مظہر اعلیٰ حضرت تھے، جانشین مفتی اعظم تھے، بریلی کی شان تھے، اہل سنت کی جان تھے، حق و باطل کی پہچان تھے، بدمذہبوں کے لیے شمشیر بے نیام تھے، ہندوستانی قاضیوں کے امیر تھے، مفتیان کرام کے سربراہ اعلیٰ تھے، علماے اسلام کے رہنما تھے، مدارس اسلامیہ کے سرپرست اعلیٰ تھے، علماے اور عوام اہلسنت کے لیے مرکز علم و ادب اور مرکز عقیدت تھے، عالمی سطح پر آپ قائد کی حیثیت سے جانے جاتے تھے، مسائل شرعیہ میں عوام اہل سنت کا آپ پر کافی اعتماد تھا، آپ کا قول قول فیصل کی حیثیت سے جانا جاتا، آپ کے موقف پر سختی اور مضبوطی کے ساتھ عمل بھی ہوتا۔

آپ کی دینی و ملی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے، ہمہ جہت شخصیت کی وجہ سے زیادہ تر سفر و حضر میں رشد و ہدایت، تبلیغ و اشاعت اور خدمت خلق میں مصروف ہوتے، دینی علوم و فنون میں آپ کو مہارت تامہ حاصل تھی، اپنے نوک قلم سے ہزاروں فتاوے لکھے، مختلف اہم موضوعات پر درجنوں کتابیں تحریر کیں، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی متعدد عربی کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا اور اردو کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا، شعر و سخن کی دنیا میں بھی اپنی یادگاریں چھوڑیں۔

راقم الحروف محمد کمال الدین اشرفی مصباحی دیناجپوری نے ۱۹۹۶ میں باغ فردوس جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں مجلس شرعی کے فقہی سیمینار میں پہلی بار آپ کا دلکش اور نورانی رخ زیبا کی زیارت کی اس کے بعد متعدد ملاقاتیں اور دست بوسی کا شرف ملا لیکن افسوس کہ اب اور زیارت نصیب نہیں ہوگی صرف یادوں کے نقوش زندہ و تابندہ رہ جائیں گے راقم الحروف اپنی طرف سے نیز ادارہ شرعیہ اتر پردیش رائے بریلی کے تمام اساتذہ کی طرف سے اور ناظم اعلیٰ علامہ عربی الاشرف اور بالخصوص امیر شریعت اتر پردیش حضرت علامہ پیر عبد الودود فقیہ تلمیذ شارح بخاری و خلیفہ اول جانشین مخدوم ثانی کچھوچھہ شریف کی جانب سے تمام محبین اور مریدین، معتقدینِ تاج الشریعہ اور وابستگان خانوادہ رضویہ کو بالعموم اور شہزادہ تاج الشریعہ علامہ عسجد رضا خان کی بارگاہ میں بالخصوص تعزیت پیش کرتا ہے مولیٰ تعالیٰ اپنے حبیب کے صدقے میں حضور تاج الشریعہ کی دینی و مذہبی خدمات کو قبول فرمائے اور جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے آمین ثم آمین۔

شریک غم: **محمد کمال الدین اشرفی مصباحی**

خادم التدریس والافتا ادارہ شرعیہ اتر پردیش، رائے بریلی

☆☆☆☆☆

فکرو نظر

خانقاھوں سے کتابوں کی جدید اشاعت

ایک جائزہ

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں ۔ہم ارباب قلم اور علمائے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں ۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں ۔از: مبارک حسین مصباحی

ستمبر ۲۰۱۸ء کا عنوان	واقعۂ کربلا اور اس کے دینی و عصری مطالبات
اکتوبر ۲۰۱۸ء کا عنوان	اسلام میں ماہِ صفر کی حیثیت

خانقاہ قادریہ بدایوں شریف دیگر خانقاھوں کے لیے ایک اھم نمونہ

از: مولانا محمد عابد چشتی ثقافی، جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف۔abid.chishti@rediffmail.com

تصوف اور صوفیا کی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ جب بھی مسلم معاشرہ کے قدم گمراہیت یا عملی بے راہ روی کی طرف بڑھے ہیں اس وقت خانقاہوں نے آگے بڑھ کر مسلمانوں کی دینی، دعوتی، معاشرتی، علمی اور فکری ہر سطح پر رہنمائی اور ان کے رشتہ کو اسلام سے جوڑے رکھنے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے ۔اور خاص طور سے ملک عزیز ہندوستان میں ، جہاں کا مسلم معاشرہ ہر دور میں باطل قوتوں اور گمراہ نظریات کی زد میں رہا ہے، خانقاہوں کے بوریا نشینوں کے ذریعہ ایمان اور عقیدے کے تحفظ کا کام بے لوث اور منظم انداز میں انجام دیا گیا ہے، اور ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ آج غیر منقسم ہندوستان میں مسلک و مذہب کی جو بہاریں نظر آ رہی ہیں وہ انہیں خانقاہوں کی ہمہ جہت خدمات کا نتیجہ ہے، جس کا انکار کرنا حقیقت سے منھ چرانے کے مترادف ہے۔

خانقاہوں کے ارباب نظر اور مشائخ طریقت نے اصلاح فکر و عمل کے لیے جہاں خطاب و نصیحت اور ارشاد و موعظت کو ذریعہ بنایا وہیں دعوت و تبلیغ کے عمل کو مزید مستحکم اور وسیع کرنے کے لیے تحریر و قلم کا بھی سہارا لیا جس کے نتیجے میں دلائل سے بھری ہوئیں مستند اور محققانہ تصانیف کا ایک ذخیرہ خانقاہوں میں موجود ہے جو امت کی رہنمائی، اصلاح اور دعوت و ارشاد کا دائمی اساسہ ہے۔ خانقاہوں کی ذی علم شخصیات، مشائخ طریقت اور صاحبانِ فضل و کمال کے اشہب قلم سے نکلنے والے یہ قیمتی شہ پارے تحقیق و تدقیق ، موضوع کی جامعیت، دلائل کی پختگی اور علمی گیرائی و گہرائی کے ساتھ ساتھ ادبی اور لسانی اعتبار سے بھی اپنا خاص مقام رکھتے ہیں، اور امت کے حق میں ان مبارک اور اخلاص و للّٰہیت کے ساتھ لکھی گئی کتابوں کی اہمیت و افادیت اپنی جگہ مسلم ہے ۔مگر زمانے کی ستم ظریفی کہیے کہ اکابرین اہل سنت کی ان کتابوں سے افادہ و استفادہ کا عمل ایک زمانہ سے رکا ہوا ہے اور یہ کتابیں علمی حلقوں کی زینت بننے کے بجائے دھول سے اٹی ہوئی دیمک کی خوراک بن رہی ہیں۔

ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلی ہوئیں تمام تر اہل سنت و جماعت کی خانقاہیں اپنے اسلاف کے علمی سرمایہ اور مختلف موضوعات پر لکھی گئیں ان تالیفات سے مالامال ہیں جو کبھی ان خانقاہوں کے علمی مزاج کا حوالہ ہوا کرتی تھیں مگر عام طور سے اہل خانقاہ کی تساہلی، اور اسلاف کے تحقیقی سرمایہ سے بے اعتنائی کی وجہ سے یہ کتابیں کم یاب یا پھر ناپید ہوتی جا رہی ہیں جس میں ملت کا مجموعی طور پر نا قابل تلافی نقصان ہے ۔ دیکھنے میں یہ آتا ہے کہ خانقاہوں میں مشائخ طریقت

کے اعراس تو بڑی دھوم دھام سے ہوتے ہیں جس میں کہیں دو روز تو کہیں تین روز، ہزاروں عقیدت کیشوں کے کھانے، پینے اور ٹھہرنے کے خصوصی انتظامات کیے جاتے ہیں، اور ایک عرس پر لاکھوں روپیہ صرف کر دیا جاتا ہے، جبکہ انہیں مشائخ کی بیش بہا کتابیں برسوں سے جدید طباعت کی منتظر پڑی ہوتی ہیں۔ یعنی ہماری ساری توجہ صاحب مزار کے لیے چادر و گاگر پر مرکوز ہو کر رہ گئی ہے اور ان کے علمی کاموں کو منظر عام پر لا کر ان کا علمی تعارف اور اسلام و سنیت کے لیے ان کی زریں خدمات سے دنیا کو آگاہ کرنا، ہمارے لیے یہ قابل توجہ نہ رہا۔

اس سلسلہ میں ایک سے زائد خانقاہوں کی نام بنام نشاندہی کی جا سکتی ہے جن کی ہمہ جہت خدمات سے ایک زمانہ فیض یاب ہوا، اور آج بھی جہاں داخلی اور خارجی سطح پر اسلام و سنیت کی حقانیت کو واضح کرتی ہوئیں ایک سے زائد زبانوں میں تالیفات کا گراں قدر ذخیرہ موجود ہے ، مگر چار چار اور پانچ پانچ دہائی کا طویل عرصہ گذر جانے کے بوجود ان کتابوں کی جدید اشاعت کی نوبت نہیں آئی ہے، جس کا افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ ان تالیفات کے قلمی یا مطبوعہ نسخوں کے ضائع ہونے کا خطرہ بھی ہمیشہ بنا رہتا ہے، اور کچھ بعید نہیں کہ وقت پر اگر ان خانقاہوں کی قدیم کتابوں کی جدید اشاعت کا اہتمام نہ کیا جائے تو ان کتابوں اور علمی سرمایہ سے ہم ہمیشہ کے لیے محروم ہو جائیں، اور ہماری اس تشویش کو اس بات سے بھی تقویت مل جاتی ہے کہ ہندو پاک کے وہ محقق علما جو قدیم کتابوں کی تلاش و جستجو کرتے ہیں، ان کے چہرے پر پڑی گرد کو صاف کر کے ان کا تعارف نئی نسل تک پہنچاتے ہیں، ان کی فہرست میں آج بھی ایسی سینکڑوں نادر کتابوں کے نام موجود ہیں جن تک ہزار تلاش و تتبع کے بعد بھی ان محققین کی رسائی نہیں ہو سکی ہے، اور ان کتابوں کے نام اور مصنف کے نام کے علاوہ اور کوئی سراغ ابھی تک ان کے ہاتھ نہیں لگا ہے۔

اگر آپ تاریخی تجزیات کی روشنی ان اسباب و عوامل کا پتہ لگائیں جن کی وجہ سے خانقاہوں میں رکھے ہوئے یہ قیمتی اور علمی اساسے اپنے وجود کے آخری مراحل میں پڑے ان صاحبان ذوق کے منتظر ہیں جو انہیں حیات نو کا مژدہ سنائیں تو یہ حقیقت ابھر کر سامنے آئے گی کہ اس کا اہم سبب خانقاہوں میں علمی وراثتوں کے بجائے صرف روحانی وراثتوں کا اہتمام و تسلسل اور بعد کے ادوار میں اسلاف کی جانشینی کا ایسے لوگوں کی طرف منتقل ہو جانا ہے جن کے اندر علمی ذوق کی کمی یا سرے سے علم ہی کا فقدان رہا ہے، جس کے متوقع نتائج جو ہونا چاہیے تھے وہ ہمارے سامنے ہیں۔ خانقاہوں میں اہل علم افراد کی کمی کی وجہ سے خانقاہوں کی علمی فضا دھیرے دھیرے چھٹتی چلی گئی اور ساری سر گرمیاں چند غیر ضروری رسموں کے ارد گرد سمٹ کر رہ گئی ہیں، خانقاہوں میں موجود اسلاف کی بے لوث کاوشوں کے ساتھ ایک زمانہ سے چلی آ رہی بے اعتنائی کی سب سے اہم وجہ یہی ہے۔

خیر خوش آئند بات یہ ہے کہ اب خانقاہیں اپنے اسلاف کی علمی خدمات کو دوبارہ منظر عام پر لانے کا مزاج بنا رہی ہیں اور کئی خانقاہوں میں کام بھی شروع ہو گیا ہے اور اب عرس کے اشتہارات میں ہمیں صندل، غسل مزار، چادر پوشی اور فاتحہ مخصوصہ کے ساتھ ساتھ یہ اعلانات بھی دیکھنے کو مل رہے ہیں "رسم اجرا بدست اقدس قدوۃ السالکین۔۔۔۔۔" آخری بات یہ کہ اگر خانقاہیں چاہتی ہیں کہ ان کی علمی عظمت کا سورج پھر نصف النہار پر آئے تو انہیں اپنے ہی گھر میں ایسے افراد تیار کرنے کی طرف متوجہ ہونا پڑے گا جو علم و تحقیق سے لیث ہوں اور اس قابل ہوں کہ اسلاف کے علمی روایت کو آگے بڑھا سکیں ورنہ بے شمار مشاہدات ہمیں بتاتے ہیں جب بھی علم و تحقیق سے خانقاہوں کا رشتہ کمزور پڑا ہے ان خانقاہوں کو "درگاہ" میں تبدیل ہوتے دیر نہیں لگی ہے۔

خانقاہوں کے ذریعہ کتابوں کی جدید اشاعت اسلاف شناسی اور اپنے مشائخ کی بارگاہ میں خراج عقیدت کا سب سے بہترین طریقہ ہے اور اس سلسلہ میں جس خانقاہ نے قابل تقلید پہل کی ہے وہ خانقاہ قادریہ بدایوں شریف ہے جس کا اعتراف ہمیں کرنا چاہیے۔ شہید بغداد، عالم ربانی حضرت علامہ اسید الحق قادری محدث بدایونی علیہ الرحمۃ کی علمی سر پرستی میں خانقاہ بدایوں نے جس طرح اپنے اسلاف کی کتابوں کی از سر نو طباعت و اشاعت کا منصوبہ بنایا اور اسے عملی جامہ پہنا کر بہت قلیل مدت میں سینکڑوں کتابیں نئے رنگ و آہنگ اور جدید اسلوب طباعت کے ساتھ منظر عام پر لے کر آئے، یہ فکر اور اس کا عملی تجربہ یقیناً دیگر خانقاہوں کے لیے لائق تقلید قدم ہے، وہ تمام خانقاہیں جو آج کی علم و تحقیق کی صدی میں اپنے اسلاف کے علمی کارناموں اور ان کی محققانہ شخصیت کا تعارف حلقۂ مریدین سے باہر علم پسند حلقوں میں کرانا چاہتے ہیں۔

☆☆☆☆

خانقاہ رشیدیہ جون پور سے کتابوں کی جدید اشاعت

از: ڈاکٹر امتیاز سرمد، شاہ عبدالعلیم آسی فاؤنڈیشن، دہلی۔ aasifoundation@gmail.com

خانقاہ رشیدیہ، جون پور قریباً چار سو سالہ قدیم علمی اور روحانی خانقاہ ہے۔ علم و تصوف کی ترویج و اشاعت میں ہمیشہ سے اس خانقاہ کا کلیدی کردار رہا ہے۔ اس سلسلے کے بانی، سجادگان، علما، مشائخ، خلفا اور مجازین نے ہر دور میں دین اسلام کی دعوت و تبلیغ، علوم و فنون کی تصنیف و تالیف، طالبان علوم نبوت کی تعلیم و تربیت اور رشد و ہدایت کا زریں کارنامہ انجام دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس خانقاہ کے پاس وقیع علمی، ادبی اور دینی اثاثہ موجود ہے۔

سلسلۂ رشیدیہ، جون پور کی چار سو سالہ علمی اور دینی خدمات کو اجاگر کرنے کے لیے عہد حاضر کے نامور عالم اور فقیہ، مجمع البحرین حضرت مفتی شاہ عبید الرحمن رشیدی دامت برکاتہم (سجادہ نشیں: خانقاہ رشیدیہ، جون پور) کی حکیمانہ کوشش اور عارفانہ بصیرت سے دہلی کی سرزمین پر قطب العرفا حضرت شاہ محمد عبدالعلیم آسی (آٹھویں سجادہ نشیں: خانقاہ رشیدیہ جون پور) کی ذات گرامی سے منسوب 'شاہ عبدالعلیم آسی فاؤنڈیشن' کا قیام ۲۰۱۲ میں عمل میں آیا۔ اس علمی، تحقیقی اور اشاعتی ادارے کا رجسٹریشن ۲۱ر فروری ۲۰۱۳ کو کرایا گیا۔

فاؤنڈیشن کے چند اغراض و مقاصد کا ذکر ذیل میں کیا جا رہا ہے:

[۱] خانقاہ رشیدیہ، جون پور کے کتب خانے میں موجود مختلف علوم و فنون پر مشتمل علمی اور قلمی نوادرات و مخطوطات کو ترجمہ و تحقیق اور جدید ترتیب و تہذیب کے ساتھ شائع کرنا۔

[۲] سلسلۂ رشیدیہ سے وابستہ مدارس اور اداروں کی علمی، دینی اور ثقافتی سرگرمیوں کا جائزہ لے کر ان کے تعلیمی منہاج کو بلند کرنا اور گاہے بگاہے ان کی تعمیر و ترقی کے لیے سہولتیں فراہم کرنا۔

[۳] ملک و بیرون ملک کی خانقاہوں سے تعلقات و روابط پیدا کر کے مذہب و ملت کے درپیش مسائل و معاملات کو حل کرنے کی کوشش کرنا۔

[۴] مختلف مقامات پر دینی، علمی، ادبی اور اصلاحی مجلسیں قائم کرنا۔

[۵] بزرگان دین اور علمائے اسلام کے احوال اور ان کے علمی و دینی آثار کو اجاگر کرنے کے لیے سیمینار اور کانفرنس منعقد کرانا۔ وغیرہ۔

شاہ عبدالعلیم آسی فاؤنڈیشن کی سرگرمیاں جاری ہیں۔ اس کے تحت اب تک ایک درجن سے زائد قدیم و جدید کتابوں کی اشاعت ہو چکی ہے۔ علاوہ ازیں فاؤنڈیشن نے دو قومی سطح کے سیمینار بھی کرائے ہیں۔ فاؤنڈیشن سے شائع ہونے والی کتابوں کا ایک اجمالی تعارف ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے:

دینی احکام (صلاۃ طیبی):

دینی احکام معروف بہ صلوٰۃ طیبی، قطب العارفین حضرت مخدوم شاہ طیب بنارسی کی تصنیف ہے۔ اس میں توحید، کلام، تصوف، فقہ جیسے اہم علوم سے متعلق بے شمار مسائل زیر بحث آئے ہیں۔ اس کتاب میں ایمان، اخلاص، طہارت، نماز، روزہ، حج جیسے اہم دینی امور سے متعلق اکتالیس فصلیں قائم ہیں، ساتھ ہی اس میں اکتالیس فائدے بھی بیان ہوئے ہیں۔ گویا روز مرہ کی زندگی میں پیش آنے والے تمام تر مسائل کا احاطہ بحسن و خوبی اس کتاب میں کیا گیا ہے۔

یہ کتاب فارسی زبان میں بشکل مخطوطہ تھی، جس کا اردو ترجمہ مولانا سیف الدین اعظمی نے کیا ہے۔ کتاب کی ابتدا میں کتاب کا مختصر تعارف کرایا گیا ہے۔ عرض مترجم کے تحت مولانا سیف الدین اعظمی نے کتاب اور اس کے ترجمے سے متعلق اپنا تاثر بیان کیا ہے۔ تقریظ کے تحت مجمع البحرین حضرت مفتی شاہ محمد عبید الرحمن رشیدی (سجادہ نشیں: خانقاہ رشیدیہ جون پور) کی مختصر تحریر شامل ہے۔ کتاب اور صاحب کتاب کے عنوان سے فاضل گرامی مولانا ابرار رضا مصباحی کی مبسوط تحریر شامل ہے، جو قارئین کے لیے اہم اور معلومات افزا ہے۔ اس کے بعد محترم المقام مفتی آل مصطفی مصباحی کا مفصل مقدمہ ہے۔ مفتی صاحب نے اپنے طویل مقدمے میں فقہی جزئیات سے متعلق اہم اور مدلل گفتگو فرمائی ہے۔ اس کے بعد اصل کتاب شروع ہوتی ہے۔ ۴۶۴ر صفحات پر مشتمل اس کتاب کی قیمت ۲۲۵ روپے ہے اور اس کی اشاعت ۲۰۱۴ میں عمل میں آئی ہے۔

مخدوم شاہ طیب بنارسی۔ شخصیت اور کارنامے:

قطب العارفین حضرت مخدوم شاہ طیب بنارسی کی شخصیت اور

کارناموں پر مشتمل یہ ایک اہم رسالہ ہے۔ اس کی ترتیب و تالیف کا کام فاضل گرامی ابرار رضا مصباحی نے انجام دیا ہے۔ عربی، فارسی اور اردو کی اہم کتابوں کے مطالعے کے بعد یہ رسالہ ترتیب دیا گیا ہے؛ اس لیے اس کے مندرجات اور مشمولات کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ حضرت مخدوم کی ولادت، پرورش و پرداخت، سلسلۂ نسب، خاندانی پس منظر، تعلیم و تربیت، اجازت و خلافت اور بیعت و ارادت کے ساتھ ساتھ آپ کے علمی اور فقہی مقام و مرتبے کے تعلق سے معلومات افزا گفتگو کی گئی ہے۔ نیز آپ کے کمالات اور کارناموں کا مختصر جائزہ بھی لیا گیا ہے۔ اس رسالے میں کل ۴۸ر صفحات ہیں، اس کی قیمت ۲۰ روپے اور سنہ اشاعت ۲۰۱۴ ہے۔

کرامات فیاضی:

یہ رسالہ حضرت قمر الحق شیخ غلام رشید عثمانی جون پوری (تیسرے سجادہ نشین: خانقاہ رشیدیہ، جون پور) کی کرامات اور ملفوظات پر مشتمل ہے۔ اس کے جامع آپ کے مرید اور سفر و حضر کے رفیق حضرت سید شاہ محسن پٹنوی ہیں۔ سید شاہ پٹنوی نے اس رسالے کو اپنے پیر و مرشد حضرت شیخ غلام رشید عثمانی کی حیات میں ہی جمع کرلیا تھا۔ نیز آپ کی خدمت میں پیش کرکے اسے مستند بنالیا تھا۔ یہ رسالہ فارسی زبان میں مخطوطے کی شکل میں موجود ہے۔ اس کا اردو ترجمہ سید نواب خورشید ہاشمی جون پوری (متوفی: ۲۰۱۳) نے کیا ہے۔ یہ رسالہ عقیدت مندوں کے لیے کئی پہلو سے اہمیت کا حامل ہے۔ شیخ کی کرامتوں کا ذکر اپنی جگہ اہمیت کا حامل ہے، لیکن شیخ نے وقتاً فوقتاً اپنے دل نشیں انداز میں خلق خدا کو جو نصیحتیں کی ہیں، ان کی معنویت آج بھی مسلّم ہے۔ ۵۶ر صفحات پر مشتمل اس رسالے کی قیمت ۲۰ روپے اور سنہ اشاعت ۲۰۱۴ ہے۔

معمولات قطب الاقطاب:

قطب الاقطاب، حضرت شیخ محمد رشید عثمانی جون پوری عالم، عارف اور محقق ہونے کے ساتھ ساتھ عابد شب زندہ دار بھی تھے۔ آپ کی عبادت و ریاضت اور زہد و ورع نے آپ کو قطب الاقطاب کے اعلیٰ منصب پر فائز کیا۔ اس رسالے میں آپ ہی کے شب و روز کے معمولات، عبادت، وظائف وغیرہ کا ذکر ہے۔ اس رسالے کے مؤلف مجمع البحرین حضرت مفتی شاہ محمد عبید الرحمن رشیدی صاحب قبلہ ہیں۔ یہ معمولات گنج ارشدی (فارسی مخطوطہ) میں تفصیل کے ساتھ موجود ہیں۔ افادۂ عام کے غرض سے اسے اردو کے قالب میں ڈھالا گیا ہے۔ آسان زبان و اسلوب میں یہ رسالہ قارئین کے لیے عمدہ تحفہ اور روحانی تسکین کا سامان ہے۔ اس رسالے کے کل ۶۲ر صفحات ہیں، اس کی قیمت ۳۰ روپے اور سنہ اشاعت ۲۰۱۵ ہے۔

بوستان آسی - جلد اول:

عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد عبد العلیم آسی سکندر پوری ثم غازی پوری کی دینی، علمی، روحانی اور شعری خدمات کو عام کرنے کے لیے ۱۴۳۵ھ/۲۰۱۴ء میں آسی صدی تقریب منائی گئی۔ اس کے تحت مختلف مقامات پر سیمینار کرائے گئے، انھی سیمیناروں کے چند مقالات اس کتاب میں شامل ہیں۔ اس کتاب کے مرتب فاضل گرامی ابرار رضا مصباحی ہیں، جنھوں نے بڑی لگن اور تن دہی کے ساتھ یہ کارنامہ انجام دیا ہے۔

ابتداے کتاب میں مولانا سجاد احمد رشیدی، ابرار رضا مصباحی، مجمع البحرین حضرت مفتی شاہ محمد عبید الرحمن رشیدی اور مولانا افروز قادری کی تحریریں شامل ہیں۔ یہ تحریریں کتاب کے مشمولات سے متعلق اہم معلومات فراہم کرتی ہیں۔

کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ بات اول: تاثرات و پیغامات، باب دوم: اعتراف وعظمت، باب سوم: سلسلۂ رشیدیہ اور مشائخ رشیدیہ، باب چہارم: عہد و پس منظر، باب پنجم: احوال و کمالات۔ باب اول کے تحت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، علامہ عبد الشکور عزیزی، سید محمد اشرف قادری برکاتی، ڈاکٹر مفتی مکرم احمد نقش بندی اور مفتی عبد المنان کلیمی جیسی اہم شخصیات کے تاثرات شامل ہیں۔ باب دوم کے تحت علماے کرام کے ساتھ نامور شعرا، ناقدین اور محققین کی بیش قیمت آرا شامل ہیں، جو حضرت آسی کے علمی، روحانی، فکری اور فنی مرتبے کو اجاگر کرتی ہیں۔ باب سوم، چہارم اور پنجم میں متعلقہ عناوین کے تحت بیس قلم کاروں کے مقالات شامل ہیں۔ اس کتاب میں ۳۵۲ر صفحات ہیں، اس کی قیمت ۱۵۰ر روپے اور سنہ اشاعت ۲۰۱۵ ہے۔

بوستان آسی - جلد دوم:

آسی صدی تقریب کے تحت ہونے والے سیمیناروں کے بیس مقالات بوستان آسی، جلد اول میں شائع ہوچکے ہیں، اسی سلسلے کے چونتیس مقالات زیر نظر کتاب میں شامل ہیں۔ عین المعارف (دیوان آسی) پر ہند و پاک کے قلم کاروں کے پانچ تبصرے بھی اس کتاب میں شامل ہیں۔

ابتدا میں مرتب کتاب ابرار رضا مصباحی کی تحریر 'ابتدائیہ' کے

عنوان سے شامل ہے۔ موصوف نے اپنی تحریر میں کتاب کی تیاری، مقالات کی دستیابی اور ان کی اہمیت و افادیت پر خاطر خواہ روشنی ڈالی ہے۔ 'حرف معتبر' کے عنوان سے معروف ناقد شمس الرحمن فاروقی نے حضرت آسی کے فکری و فنی امتیازات پر مختصر ہی سہی، لیکن اہم گفتگو کی ہے۔ تقدیم کے تحت پدم شری پروفیسر اختر الواسع کا گراں قدر مضمون کتاب کی اہمیت میں اضافہ کرتا ہے۔اس کے بعد تاثرات وپیغامات کے تحت پروفیسر سید طلحہ رضوی برق، مولانا یٰسین اختر مصباحی، پروفیسر خواجہ اکرام الدین، مفتی معین الدین رضوی اور مفتی شبیر احمد اشرفی جیسے اہم قلم کاروں کے تاثرات حضرت آسی کے فکر و فن کے کئی گوشے واکرتے ہیں۔

علمی و روحانی آثار، عقائد و نظریات، عشق رسول، تعلقات و روابط اور اصناف شاعری؛ مذکورہ ابواب کے تحت قریباً ۳۵ر قلم کاروں کے مقالات شامل کتاب ہیں۔ جو آسی شناسی کے باب میں اہمیت کے حامل ہیں۔ اس کتاب میں ۳۶۸ر صفحات ہیں، اس کی قیمت ۲۰۰ر روپے اور سنہ اشاعت ۲۰۱۵ ہے۔

گنج فیاضی-ایک مطالعہ:

یہ کتاب خانقاہ رشیدیہ، جون پور کے جلیل القدر بزرگ قمر الحق حضرت شیخ غلام رشید عثمانی جون پوری کی کتاب 'گنج فیاضی' کا تفصیلی تعارف ہے۔ گنج فیاضی حضرت شیخ غلام رشید عثمانی کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ پروفیسر سید حسن عسکری (ولادت:۱۸۹۲ وفات:۱۹۹۰) نے گنج فیاضی پر یہ تفصیلی مقالہ اپنی کتاب 'ہندوستان کے عہد وسطیٰ پر مقالات' میں شامل کیا ہے۔ یہ کتاب خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ سے ۱۹۹۵ میں شائع ہوچکی ہے۔ پروفیسر حسن عسکری نے اپنے مقالے میں گنج فیاضی کا جائزہ لے کر اس کی تاریخی، علمی، روحانی، اخلاقی، سماجی اور لسانی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔ نیز اس کے مضامین، موضوعات، خصوصیات اور امتیازات پر بھی سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ پروفیسر موصوف نے گنج فیاضی کے ساتھ ساتھ مشائخ خانقاہ رشیدیہ، جون پور کے مزید دو مخطوطات؛ گنج رشیدی (ملفوظ: شیخ محمد رشید جون پوری) اور گنج ارشدی (ملفوظ: شیخ محمد ارشد جون پوری) کی اہمیت و افادیت بھی واضح کی ہے۔ پروفیسر موصوف کی اس گراں قدر تحریر کو ابرار رضا مصباحی نے کتابی شکل میں مرتب کیا ہے، ساتھ ہی انھوں نے اس پر ایک مقدمہ بھی سپرد قلم کیا ہے اور کئی اہم مقامات پہ علمی و تحقیقی حواشی بھی تحریر کیے ہیں۔ مقالے (گنج فیاضی: ایک مطالعہ) کی علمی و تاریخی اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسے الگ سے کتابی شکل دی گئی ہے۔ اس کتاب میں کل ۷۲ر صفحات ہیں، قیمت ۳۰ر روپے اور سنہ اشاعت ۲۰۱۵ ہے۔

تذکرہ مشائخ رشیدیہ (سمات الاخیار):

تذکرہ مشائخ رشیدیہ (سمات الاخیار) خانقاہ رشیدیہ، جون پور کے مشائخ اور سجادگان کے احوال و آثار پر مستقل قریباً سو سال پرانی تصنیف ہے۔ اس کتاب کے مصنف مولانا عبد المجید کاتب رشیدی مصطفیٰ آبادی ہیں۔ ۱۹۰۲ میں انھوں نے یہ کتاب مکمل کی تھی، لیکن اس کی پہلی اشاعت ۱۹۲۶ میں عمل میں آئی اور دوسری بار اسے ۱۹۹۹ میں سید محمد اصغر رشیدی سادات پوری نے کراچی، پاکستان سے چھپوایا۔ اس کتاب میں اولاً بانی خانقاہ رشیدیہ حضرت شیخ محمد رشید عثمانی معروف بہ حضرت دیوان جی سے لے کر حضرت آسی تک کے احوال شامل تھے۔ لیکن اس کی اشاعت جدید میں تین بزرگوں؛ شہود الحق حضرت سید شاہ شاہد علی سبزپوش فانی گورکھپوری، منظور الحق حضرت سید شاہ مصطفیٰ علی سبزپوش گورکھپوری اور حضرت سید شاہ ہاشم علی سبزپوش گورکھپوری کے حالات بھی شامل کیے گئے ہیں۔ اس نئی اشاعت کی ترتیب، تحقیق اور اضافے کی ذمے داری معروف قلم کار مولانا ڈاکٹر خوشتر نورانی نے انجام دی ہے۔ موصوف نے تحقیق و تدوین کے جدید اصولوں کو بروئے کار لاتے ہوئے نہایت عرق ریزی سے یہ کام انجام دیا ہے۔ کتاب کے آخر میں متن میں شامل معروف شخصیات کا تعارف شامل ہے، ساتھ ہی اشخاص پر مشتمل ایک اشاریہ (Index) بھی دیا گیا ہے۔ اس کتاب میں ۳۰۲ر صفحات ہیں، قیمت دو سو روپے اور سنہ اشاعت ۲۰۱۵ ہے۔

مناقب العارفین-حصہ اول:

یہ کتاب حضرت مخدوم شاہ طیب بنارسی کے خلیفۂ اجل حضرت شیخ یٰسین جھونسوی کی تصنیف ہے۔ دو حصوں پر مشتمل یہ تذکرہ قریباً چار سو سال قبل وجود میں آیا تھا۔ اصل کتاب فارسی زبان میں ہے۔ اس کتاب میں چشتی بزرگوں کے احوال، مناقب، ملفوظات، واقعات اور ارشادات شامل ہیں۔

حصہ اول کا ترجمہ پروفیسر سید غلام سمنانی جون پوری نے کیا ہے۔ اس کی پہلی اشاعت ۲۴۰ر صفحات پر مبنی ۲۰۰۰ء میں عمل میں آئی تھی۔ اس میں چھے بزرگوں کا تذکرہ ہے؛ شیخ طیب بن معین الدین بنارسی، شیخ تاج الدین جھونسوی، شیخ نصیر الدین جھونسوی، شاہ حسن

داؤد بنارسی، شیخ فرید قطب بنارسی اور خواجہ مبارک سوندھو۔ آغاز موضوع سے قبل مترجم کتاب کی دو تحریریں ایک مبسوط اور ایک مختصر 'سخن ہائے گفتنی' اور 'اعتذار' کے نام سے زینت کتاب ہیں۔ ساتھ ہی مجمع البحرین مفتی شاہ محمد عبید الرحمن رشیدی (سجادہ نشین: خانقاہ رشیدیہ جون پور) کا ایک نہایت علمی اور وقیع مقدمہ بھی شامل ہے۔ حال ہی میں عمدہ طباعت اور اعلیٰ پیش کش کے ساتھ اس کی جدید اشاعت شاہ عبد العلیم آسی فاؤنڈیشن دہلی سے ہوئی ہے۔ اس میں مترجم اور حضرت مجمع البحرین کے مقدمے کے علاوہ 'ابتدائیہ' کے زیر عنوان ایک مختصر اور تازہ تحریر ابرار رضا مصباحی کی بھی شامل ہے جو اشاعت نو کے محرکات اور مصنف کتاب کے علمی و تحریری کمالات پر روشنی ڈالتی ہے۔ یہ کتاب مجموعی طور پر ۱۸۴ر صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کی قیمت ۱۷۰ر روپے اور سنہ اشاعت ۲۰۱۸ ہے۔

مناقب العارفین۔ حصہ دوم:

حصہ دوم کا اردو ترجمہ فاضل گرامی مولانا ارشاد عالم نعمانی نے کیا ہے۔ اس میں اصل موضوع سے قبل ابرار رضا مصباحی کی 'عرض ناشر' ہے اور مترجم کتاب مولانا ارشاد عالم نعمانی کی 'عرض مترجم'۔ جب کہ حصہ اول کے مترجم پروفیسر سید غلام سمنانی جون پوری کی 'سخن ہائے گفتنی' کے بعض ضروری اور اہم حصے کو بھی 'تعارف مخطوطہ و مصنف' کے نئے عنوان سے اس میں شامل کیا گیا ہے۔ اس حصے میں آٹھ بزرگوں کے احوال شامل ہیں؛ خواجہ محمد عیسیٰ تاج جون پوری، خواجہ فتح اللہ اودھی، خواجہ شہاب الدین ناگوری، خواجہ نصیر الدین محمد چراغ دہلوی، خواجہ نظام الدین اولیا، خواجہ فرید الدین گنج شکر، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری۔ مولانا ارشاد نعمانی نے ترجمے اور تحقیق کے جدید اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے کتاب کو اردو کے قالب میں ڈھالا ہے، ساتھ ہی کتاب کے آخر میں کتابیات اور تعارف کتابیات کے تحت اہم معلومات فراہم کی ہیں۔ ۲۸۸ر صفحات پر مشتمل اس کتاب کی قیمت ۲۵۰ روپے اور سنہ اشاعت ۲۰۱۶ ہے۔

عین المعارف (دیوان آسی):

قطب العرفا و العشاق حضرت مولانا شاہ محمد عبد العلیم آسی سکندر پوری ثم غازی پوری کا یہ دیوان پہلے بھی متعدد بار زیور طبع سے آراستہ ہو چکا ہے۔ پہلی بار اسے محمد اظہر مرچنٹ نے سلیمانی پریس، بنارس سے ۱۹۱۷ میں شائع کرایا، دوسری بار آسی پریس، گورکھپور سے شائع ہوا اور تیسری بار ادارہ یادگار آسی غازی پوری کراچی، پاکستان سے ۱۹۸۸ میں اس کی اشاعت عمل میں آئی۔ اسی نسخے کو بنیاد بنا کر انجمن فیضان رشیدی، کمرہٹی، کلکتہ نے ۱۹۹۷ میں اسے شائع کیا۔ نسخۂ کراچی کو پیش نظر رکھتے ہوئے شاہ عبد العلیم آسی فاؤنڈیشن، نئی دہلی نے اسے بڑے اہتمام کے ساتھ شائع کیا ہے۔

عین المعارف کے مرتب حضرت سید شاہ شاہد علی سبز پوش فانی گورکھپوری ہیں، اس اشاعت میں انھی کی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ البتہ اس نسخے کی تصحیح، تحقیق اور نظر ثانی کی ذمے داری معروف ناقد، محقق اور شاعر ڈاکٹر فضل الرحمن شرر مصباحی نے بحسن و خوبی انجام دی ہے۔ کتاب کی ابتدا میں فاضل گرامی ابرار رضا مصباحی نے کلام آسی کا اشاعتی جائزہ پیش کیا ہے۔ اس جائزے میں موصوف نے کلام آسی کی اشاعت کے تعلق سے اپنا تحقیقی نقطۂ نظر پیش کر کے قارئین کے لیے معلومات کا بیش بہا ذخیرہ فراہم کر دیا ہے۔ یقینا یہ تحریر آسی شناسی کے باب میں سنگ میل ثابت ہوگی۔ حضرت آسی کی شاعری کے عنوان سے مجنوں گورکھ پوری کا فاضلانہ مقالہ شامل ہے۔ حضرت آسی کے احوال و آثار کا جائزہ لیتے ہوئے مرتب دیوان حضرت سید شاہد علی سبز پوش نے حضرت آسی کے حالات کو تفصیلی طور پر پیش کیا ہے۔ اس کے علاوہ مرزا اسد اللہ خاں غالب، علامہ کیفی چریاکوٹی، مولانا محمد علی جوہر، عارف ہسوی، پروفیسر حامد حسن قادری، عبد السلام ندوی، پروفیسر کلیم الدین احمد، فراق گورکھپوری، شمس الرحمن فاروقی جیسے مشاہیر اور یکتائے روزگار کے تاثرات اس نسخے کو مزید وقیع بناتے ہیں۔ اس دیوان کے کل ۴۱۶ صفحات ہیں، قیمت ۴۰۰ روپے اور سنہ اشاعت ۲۰۱۷ ہے۔

شرح قصیدۂ غوثیہ:

قصیدۂ غوثیہ، غوث اعظم حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کی ذات بابرکات سے منسوب مقبول خاص و عام اور بافیض قصیدہ ہے۔ قمر الحق حضرت شیخ غلام رشید عثمانی جون پوری نے ۱۱۶۲ھ میں اس کی شرح لکھی۔ یہ قدیم شرح فارسی زبان میں مخطوطے کی شکل میں، خانقاہ رشیدیہ، جون پور میں موجود ہے۔ مولانا فخر الحسن رشیدی چمپارنی نے اس کا عام فہم اور آسان اردو ترجمہ کیا ہے۔

کتاب کی ابتدا میں فاضل گرامی ابرار رضا مصباحی کا مقدمہ ہے، جس میں انھوں نے اس قصیدے کی علمی اور ادبی اہمیت اور شارح قصیدہ غوثیہ کے احوال و آثار پر اچھی گفتگو کی ہے۔ مقدمے کے بعد قصیدۂ غوثیہ کا عربی متن ہے، اس کے بعد فارسی شرح پھر فارسی شرح کا

اردو ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔ ۸۷ر صفحات پر مشتمل اس کتاب کی قیمت ۱۳۰ر روپے اور سنہ اشاعت ۲۰۱۷ہے۔

بندگی شیخ مصطفےٰ عثمانی -احوال وآثار:

فاضل گرامی ابرار رضا مصباحی کی یہ تحقیقی کاوش ہے۔ اس کتاب میں جمال الحق بندگی شیخ مصطفےٰ عثمانی جون پوری ثم پورنوی کے حالات اور آثار یکجا کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب حضرت بندگی کے تعلق سے معلومات کا اہم ذخیرہ ہے۔ اس میں حضرت بندگی کی ولادت، پرورش و پرداخت، تعلیم و تربیت، خاندانی احوال، علمی کارناموں اور تبلیغی خدمات کا ذکر ہے۔ ساتھ ہی حضرت بندگی کے خلفا، مریدین اور سجادگان خانقاہ رشیدیہ کے تعلق سے بیش بہا مواد اس کتاب میں موجود ہے۔ حضرت بندگی اور ان کے خلفا و مریدین کی علمی اور دعوتی سرگرمیوں سے بھی یہ کتاب ہمیں روشناس کراتی ہے۔

کتاب کی تیاری میں عربی، فارسی اور اردو کی اہم کتب سے مدد لی گئی ہے، خصوصی طور پر فارسی مخطوطات کے مطالعے سے حاصل شدہ مواد یقیناً کار آمد ہے۔ کتاب میں تحقیق کے عصری اصولوں کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ جس محنت اور جگر کاوی سے یہ کتاب تیار ہوئی ہے، وہ قابل تحسین ہے۔ اپنے موضوع پر اردو میں یہ پہلی باضابطہ تصنیف ہے؛ اس لیے اپنے مشمولات کے لحاظ سے یہ کتاب نعمت غیر مترقبہ کا درجہ رکھتی ہے۔ ۲۸۲ر صفحات پر مشتمل اس کتاب کی قیمت ۳۵۰ر روپے ہے اور سنہ اشاعت ۲۰۱۷ہے۔

گل دستہ (اردو/ہندی):

یہ حضرت آسی کے کلام کا انتخاب ہے۔ اس میں آٹھ غزلیں، چار رباعیاں اور دو مشہور زمانہ سلام شامل ہیں۔ سلسلۂ رشیدیہ کے چند وابستگان اور مخلص برادران طریقت نے یہ خواہش ظاہر کی کہ حضرت آسی کا منتخب کلام اردو کے ساتھ دیوناگری (ہندی) میں بھی شائع ہو، تو کیا خوب ہو۔ اسی خواہش کے تحت اور افادۂ عام کی غرض سے یہ کتابچہ وجود میں آیا۔ کتابچے کی ابتدا میں مرتب (امتیاز سرمد) نے حضرت آسی کے حالات مختصراً پیش کیے ہیں اور حضرت آسی کی شاعری کی اہمیت بھی اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کتابچے میں ۲۴ر صفحات ہیں، اس کی قیمت ۱۰ر روپے اور سنہ اشاعت ۲۰۱۷ہے۔

مطبوعہ کتابوں کے اجمالی تعارف کے بعد یہاں ان کتابوں کی بھی فہرست ذیل میں پیش کی جا رہی ہے، جن کے تعلق سے تحقیق، تصحیح، تخریج، ترجمہ اور ترتیب کا کام جاری ہے اور مستقبل قریب میں وہ زیور طبع سے آراستہ ہونے والی ہیں:

[۱] مکتوبات جمالی (فارسی)- تصنیف: جمال الحق بندگی شیخ مصطفےٰ عثمانی جون پوری ثم پورنوی

[۲] تقویم النحو (عربی/قلمی)- تالیف: قمر الحق شیخ غلام رشید عثمانی جون پوری

[۳] صحائف السلوک (فارسی) از طبیب دلہا شیخ صدر الدین احمد شہاب ناگوری

[۴] بوستان آسی جلد سوم (مجموعۂ مقالات)- ترتیب و تدوین: ابرار رضا مصباحی

[۵] اختیار نبوت (اردو)-تصنیف: مفتی شاہ محمد عبید الرحمن رشیدی

[۶] اختیار نبوت (انگریزی)-تصنیف: مفتی شاہ محمد عبید الرحمن رشیدی

[۷] بیان حقیقت (اردو)-تصنیف: مفتی شاہ محمد عبید الرحمن رشیدی

[۸] گلشن فانی (مجموعۂ مقالات)-ترتیب و تدوین: ابرار رضا مصباحی

[۹] وسیلۃ النجات (فارسی/قلمی)- تالیف: مولانا احسن اللہ علوی جون پوری

[۱۰] شمس الضحیٰ فی تذکرۃ المشائخ الرشیدیہ (فارسی/قلمی)- تالیف: مولانا شاہ محمد عبد العلیم آسی غازی پوری

[۱۱] دیوان فانی (مجموعۂ کلام حضرت فانی گورکھپوری)- مرتب: اثیم خیر آبادی،

[۱۲] گنج ارشدی (فارسی/قلمی)- مرتب و مدون: شیخ غلام رشید عثمانی جون پوری

[۱۳] گنج رشیدی (فارسی/قلمی)- مرتب و مدون: شیخ نصرت جمال ملتانی

[۱۴] مکتوبات رشیدیہ (فارسی)- ترتیب و تدوین: مولانا شاہ محمد عبد العلیم آسی غازی پوری

[۱۵] دیوان شمسی (فارسی/قلمی): مجموعۂ کلام شیخ محمد رشید عثمانی جون پوری)- مرتب: شیخ محمد حمید عثمانی جون پوری

شاہ عبد العلیم آسی فاؤنڈیشن (رجسٹرڈ) دہلی نے اتنی مختصر مدت میں محدود وسائل کے باجود جو قابل قدر کارنامے انجام دیے ہیں، وہ اہل فکر و نظر کی توجہات، عنایات اور دعاؤں کے متقاضی ہیں۔ وابستگان سلسلۂ رشیدیہ اور ارباب علم و ادب سے گزارش ہے کہ وہ اس ادارے کی ترقی کے لیے اپنے گراں قدر علمی و فکری تعاون کے ساتھ ساتھ اس کے معاشی استحکام کے لیے بھی اقدام کریں۔

تین اہم مطبوعات جدیدہ

محمد اظہار النبی حسینی

(۱) اصول الشاشی مع احسن الحواشی:

اصول الشاشی حنفی اصول فقہ کی ایک مختصر اور معتمد و معتبر کتاب ہے، جس کی مقبولیت وضرورت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ زمانہ قدیم سے اب تک درس نظامی کے نصاب میں شامل ہے اور علماے کرام اس سے استفادہ کر رہے ہیں۔ اس قدر اہم اور مقبول ہونے کے باوجود یہ کتاب آج تک عمدہ کتابت، طباعت اور اشاعت کا تقاضا کر رہی تھی۔ مجلس برکات نے اس تقاضے کو پورا کرتے ہوئے اصول الشاشی اور اس کے حاشیہ احسن الحواشی کی جدید اشاعت کی، اس کی جدید ترتیب و تہذیب کا کام استاذ گرامی حضرت مولانا محمد ناصر حسین مصباحی نے کیا ہے۔ جدید اشاعت کی خصوصیات درج ذیل ہیں:

(۱) تین قدیم نسخوں سے اس کا مقابلہ کیا گیا ہے اور طباعتی غلطیوں کی اصلاح کی گئی ہے۔ (۲) اعلام و اماکن کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے۔ (۳) آیات واحادیث کی تخریج و تحقیق کی گئی ہے۔ (۴) ابواب، فصول مسائل اور مثالوں کی نمبر سازی کی گئی ہے۔ (۵) املائی غلطیوں کو درست کیا گیا ہے۔ (۶) ہر فصل کے آخر میں مشقی سوالات قائم کیے گئے ہیں۔ (۷) رموز اوقاف اور علامات ترقیم کا التزام کیا گیا ہے۔ (۸) بعض اصطلاحات کے درمیان فرق واضح کیا گیا ہے۔ (۹) احسن الحواشی میں در آئی غلطیوں کی اصلاح کی گئی ہے۔ (۱۰) حواشی میں مذکور مکرر عبارات کو حذف کیا گیا ہے۔ (۱۱) علم اصول فقہ کی تسہیل و تفہیم کے لیے آخر کتاب میں ایک نقشہ دیا گیا ہے جس سے اصول کی جملہ اقسام اور اصطلاحات ایک نظر میں سامنے آجاتی ہیں۔ (۱۲) آیات و احادیث اور اعلام کی ایک الگ فہرست تیار کی گئی ہے تاکہ مطلوبہ آیات وغیرہ کی تلاش میں آسانی ہو۔ (۱۳) بین السطور کا اہتمام کیا گیا ہے۔ (۱۴) پوری کتاب کی فہرست سازی میں متن کے ساتھ حاشیے کی بھی فہرست تیار کی گئی ہے۔ (۱۵) کتاب کے آغاز میں استاذ گرامی حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی کے قلم سے اصول فقہ، اصول الشاشی اور مصنف اصول الشاشی کا مختصر معلوماتی تعارف پیش کیا گیا ہے۔ (۱۶) پہلے پورا متن تقریباً ۶۴ر صفحات میں درج کر دیا گیا ہے، پھر تقریباً ۲۸۰ر صفحات میں متن مع حاشیہ و بین السطور وغیرہ پیش کیا گیا ہے۔ جو لوگ صرف متن دیکھنا یا پڑھنا پڑھانا چاہیں، ان کے لیے ابتدا میں دیے گئے ۶۴ر صفحات کافی ہیں۔

(۲) مختصر القدوری مع اللباب:

دوسری کتاب جسے مجلس برکات نے زیور طباعت سے آراستہ کیا ہے، مختصر القدوری مع اللباب ہے۔ فقہ حنفی میں فقہاے متاخرین نے جو متون مرتب فرمائے ان میں مختصر القدوری مختصر، جامع اور معتبر و متداول ہے۔ مذہب حنفی میں قدوری کو ایسی اہمیت و مقبولیت حاصل ہے کہ طاش کبری زادہ نے مفتاح السعادۃ میں فرمایا:

”وأعلم أن هذا المختصر مما تبرك به العلماء، حتي جربوا قراءته أوقات الشدائد وأيام الطاعون.“

(مفتاح السعادۃ، ج:۲، ص:۲۵۴)

اور حاجی خلیفہ نے مصباح انوار الادعیۃ کے حوالے سے نقل فرمایا:

”إن الحنفية يتبركون بقراءته في أيام الوباء، و هو كتاب مبارك، من حفظه يكون أمينا من الفقر“۔

(کشف الظنون، ج:۲، ص:۱۶۳۱)

مختصر القدوری کی افادیت کے پیش نظر کثیر علما و فقہا نے اس کے شروح و حواشی لکھے، انھی میں ”اللباب فی شرح الکتاب“ بھی ہے۔ قدوری کی یہ شرح دیار ہند میں اگرچہ غیر معروف ہے مگر یہ ایک مفید شرح ہے جس میں فقہی عنوانات کی لغوی اور اصطلاحی تعریف کی گئی ہے، مشکل اور غریب الفاظ کی مناسب اور آسان وضاحت کی گئی ہے، مفتی بہ اقوال کی تعیین کی گئی ہے اور مسائل شرعیہ کے عقلی و نقلی دلائل بھی بیان کیے گئے ہیں وغیرہ۔ شارح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ابن عابدین شامی صاحب رد المحتار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شاگرد ہیں۔ انھوں نے اپنے مآخذ بھی صراحۃً ذکر کیے ہیں خصوصاً اقوال مختلفہ میں ترجیح کا ذکر کہیں بلا حوالہ نہیں ہے۔

مجلس برکات نے علما و طلبہ کی آسانی کے لیے اس شرح کو متن کے ساتھ حاشیے کے طور پر شائع کیا ہے۔ متن کا متعدّد نسخوں سے مقابلہ کرنے کے لیے مجلس کی جانب سے متعیّن علما کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) حضرت مولانا محمد قاسم مصباحی، (۲) حضرت مولانا محمود علی مشاہدی، (۳) حضرت مولانا ازہر الاسلام ازہری، (۴) حضرت مولانا جنید احمد مصباحی اور (۵) حضرت مولانا ارشاد احمد مصباحی۔

اس مجموعے پر کیے گئے کام کی تفصیل اس طرح ہے:

(۱) قدوری کے چار مطبوعہ نسخوں سے متن کا مقابلہ کیا گیا ہے۔ (۲) تصحیح کے دوران نسخوں میں الفاظ و عبارات کے فرق کے موقع پر ان علما کی صواب دید کے مطابق مناسب الفاظ و عبارات رکھے گئے ہیں۔ (۳) قدوری کی عبارت کو اوپر اور لباب کی عبارت کو بطور حاشیہ نمبروار نیچے رکھا گیا ہے، جس میں سب سے زیادہ محنت و جاں فشانی مولانا محمد ناصر حسین مصباحی کی ہے۔ (۴) رموز او قاف اور علامات ترقیم کا التزام کیا گیا ہے۔ (۵) مسائل کی پیراگرافنگ کی گئی ہے۔ (۶) فقہ حنفی کی تدوین کے حوالے سے استاذ گرامی مولانا ناظم علی مصباحی کا ایک قیمتی اور معلوماتی مضمون بطور مقدمہ شامل ہے۔ (۷) آخر کتاب میں لباب میں مذکور ائمۂ اعلام اور کتابوں کا مختصر تعارف مولانا شمشیر علی مصباحی گجراتی، رفیق المجمع الاسلامی نے حروف تہجی کی ترتیب پر پیش کیا ہے۔ (۸) آخر کتاب میں مولانا محمد ناصر حسین مصباحی نے تمام ابواب کے متعلق مشقی سوالات دیے ہیں۔ (۹) متن و حاشیہ کی پروف ریڈنگ متعدّد حضرات نے کئی بار کی ہے۔ جن میں مولانا محمد اعظم مبارک پوری، متعلّم درجۂ تحقیق فی الادب، جامعہ اشرفیہ بھی شامل ہیں۔

اس طرح ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ علما و طلبہ کے لیے اب تک شائع ہونے والی قدوری کے تمام نسخوں میں یہ نسخہ سب سے زیادہ لائق اعتماد، تصحیح شدہ اور مفید ہوگا۔ یہ دونوں کتابیں (اصول الشاشی و مختصر القدوری) مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور اور مجلس برکات، ۱۴۹ گراؤنڈ فلور، کٹرا گوکل شاہ مارکیٹ، مٹیا محل، جامع مسجد دہلی (موبائل نمبر: 9911198459 -91+) سے دست یاب ہیں۔

(۳) معدن الفضائل فی شرح الشمائل:

علوم حدیث کے مختلف شعبوں میں سے ایک اہم شعبہ "شمائل النبی ﷺ" کا ہے۔ شمائل نبوی رسول اللہ ﷺ کے اخلاق و عادات کو کہتے ہیں، جس میں حضور اقدس ﷺ کے حلیہ مبارک، وضع قطع، لباس، نشست و برخاست اور شب و روز کو بیان کیا جاتا ہے۔ اس اہم موضوع پر مختلف علما و محدثین نے کتابیں تحریر فرمائیں مگر جو مقبولیت و شہرت امام ترمذی کے مرتب کردہ "شمائل" کو حاصل ہوئی، وہ کسی اور کو نہیں ملی۔

در حقیقت شمائل ترمذی سنن ترمذی کا ہی حصہ ہے۔ امام ترمذی نے اپنی سنن کے ابواب المناقب میں اس موضوع پر تقریباً انتیس ابواب کے تحت روایتیں جمع فرمائیں مگر بعد میں مستقل رسالہ مرتب فرما کر سنن کے آخر میں ملحق فرمایا۔ گویا یہ رسالہ ابواب المناقب کا تتمہ ہے۔ اس طرح شمائل ترمذی چھپن ابواب پر مشتمل ہے، جس میں چار سو دس حدیثیں مروی ہیں۔

اس کتاب کی صحت و جامعیت اور شہرت و مقبولیت کی بنیاد پر علمائے کرام نے امت مسلمہ کو شمائل و خصائل رسول ﷺ سے روشناس کرانے کے لیے اس کتاب کی شرحیں لکھیں، اسی سلسلے کی ایک اہم علمی کڑی "معدن الفضائل فی شرح الشمائل" ہے۔

معدن الفضائل علامہ محمد فاضل گجراتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (شہادت ۱۱۲۹ھ) کی تصنیف ہے، اس شرح میں فاضل شارح نے (۱) اسمائے رواۃ کے حرکات و سکنات کی وضاحت کے ذریعہ ان کا صحیح تلفظ بیان فرمایا ہے، (۲) اعلام و اماکن کا مختصر تعارف پیش فرمایا ہے، (۳) علمی و فنی مصطلحات کی وضاحت کی اور ان کے درمیان فرق واضح فرمایا ہے، (۴) مشکل الفاظ و کلمات کی لغوی وضاحت فرمائی ہے، (۵) بظاہر متعارض احادیث کے درمیان تطبیق پیش کی ہے، (۶) بقول مصنف اس شرح میں شمائل ترمذی کی دس شروح کا خلاصہ اور نچوڑ پیش کیا گیا ہے۔

اس قدر خوبیوں پر مشتمل علمی تصنیف اب تک مخطوطے کی شکل میں تھی۔ استاذ گرامی حضرت مولانا محمود علی مشاہدی مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ نے مخطوطے کی تحقیق فرمائی، اس پر تعلیق و تحشیہ تحریر فرمایا اور جدید علمی منہج کے مطابق اس شرح کو مفید سے مفید تر شکل میں پیش کرنے کی سعی فرمائی ہے۔ مولانا محمد نظام الدین مصباحی گجراتی نے اس کے متعدّد مخطوطے حاصل کیے پھر تحقیق مذکور کے بعد ان کے چند احباب اور علما کے تعاون سے یہ بیش قیمت علمی تحفہ منظر عام پر آیا۔ المجمع الاسلامی ملت نگر، مبارک پور ضلع اعظم گڑھ سے دست یاب ہے۔ (موبائل نمبر: 8400129121 -91+)

مذکورہ بالا تینوں کتابوں کے محقق و محشی و مرتب اور اشاعتی تعاون پیش کرنے والے ادارے پوری قوم کی جانب سے مبارک باد کے مستحق ہیں۔ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں دعا ہے کہ ان علمائے کرام اور اداروں کے برکات و ثمرات میں اضافہ فرمائے اور ہمیں مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وسلمواتسلیما (سلاموں کا مجموعہ)

شاعر؛ سید محمد نور الحسن نوؔر نوابی عزیزی　　　مبصر۔ سعید رحمانی

اترپردیش میں ضلع فتح پور ایک ایسا مردم خیز خطہ ہے جس کی خاک سے صوفیائے کرام‘ جید علمائے دین اور نامور ادبا و شعرا کا ظہور ہوا۔ آج بھی اس سرزمین کی ادبی شخصیتوں کو عالمی سطح پر منفرد مقام حاصل ہے۔ انھیں شخصیتوں میں سے ممتاز صوفی شاعر حضرت سید محمد نور الحسن نوؔر بھی ہیں جن کی توجہ کا محور صرف اور صرف تقدیسی شاعری ہے۔ یہ فن انھیں وراثت میں ملا ہے جس کو مزید صیقل کرنے میں وہ منہمک ہیں۔ آپ نے ایک ایسے علمی اور روحانی خانوادے میں آنکھیں کھولیں جس کا ماحول سراسر دینی ہے۔ انھوں نے اپنے اسلاف کی دینی‘ ادبی اور روحانی اقدار کو سنبھال کر رکھا ہے۔ قلندرانہ صفت پائی ہے اور صلہ و ستائش سے بالا تر ہو کر بے لوث ادبی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

آپ کا شعری سفر اپنے برادرِ مکرم حضرت صوفی سید محمد عزیز الحسن شاہ عزیزی نوابی لیاقتی مد ظلہ‘ کی رہنمائی میں ارتقائی سفر طے کرتے ہوئے اس مقام پر آن پہنچا ہے کہ ایک بڑا ادبی حلقہ ان کی ادبی و شعری بصیرتوں کا معترف ہو چکا ہے۔ تقدیسی شاعری میں اب آپ کو ایک منفرد مقام حاصل ہے۔ نعوت پاک اور مناقب پر مشتمل مجموعہ ”مطلعِ نور“ کے بعد یہ دوسرا زیرِ نظر مجموعہ ”وسلمواتسلیما“ فروری ۲۰۱۸ء میں منظرِ عام پر آکر اہلِ ادب سے پذیرائی حاصل کر چکا ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ یہ صرف سلاموں پر مشتمل ہے۔ یوں تو حمدیہ اور نعتیہ مجموعے اکثر شایع ہوتے رہتے ہیں مگر خالص سلاموں پر مشتمل مجموعہ ناچیز کے خیال میں پہلی بار شائع کر کے حضرت نے ایک نئی راہ دکھائی ہے۔ اس میں کل گیارہ سلام آقائے نامدار ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیے گئے ہیں‘ تین سلام شہیدِ کربلا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں اور دو سلام اپنے دادا حضور حضرت الحاج صوفی سید نواب علی شاہ حسین عزیزی علیہ رحمہ کی بارگاہ میں بطور نذرانۂ عقیدت پیش ہیں۔

ان سلاموں کے مطالعہ سے ظاہر ہے کہ حضرت نور الحسن نوؔر کو نہ صرف زبان و بیان پر قدرت حاصل ہے بلکہ شعری لوازمات کا بھی اچھا درک رکھتے ہیں۔ مزید برآں حضورِ اکرم ﷺ اور بزرگانِ دین سے ان کی والہانہ عقیدت بھی مترشح ہے۔ سلاستِ زبان و بیان کے ساتھ ساتھ ان کی شاعری میں شگفتگی اور تازگی کا احساس بھی ہوتا ہے۔ دلکش ترکیبات سے مرصع یہ سلام اپنے اندر بے پناہ اثر پذیری رکھتے ہیں جنھیں سن کر قاری کی زبان سے بے ساختہ صدائے تحسین بلند ہونے لگتی ہے۔ نمونتاً چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

ایک اک پتی کے لب پر ہے ترا ذکرِ جمیل
پڑھ رہا ہے گلشنِ جاں الصلوٰۃ والسلام

اے تاجدارِ انفس وآفاق السلام
اے حاصلِ حیات ہمارا سلام لو

دشت کو تونے کیا جنت بدوش
باغِ زہرا کے گلِ تر السلام

کہتی ہے نوؔر جھوم کے ہر شاخِ آرزو
محبوبِ این وآں شہِ نوّاب السلام

یہ سبھی سلام غزلیہ ہئیت میں ہیں‘ ایک مسدس کی شکل میں اور ساتھ ہی تین رباعیاں بھی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت نوؔر کو بیشتر اصنافِ سخن پر دسترس حاصل ہے۔ یہ مجموعہ ذولسانی ہے۔ اردو کے ساتھ دیوناگری رسم الخط میں اشاعت کے سبب یقین ہے کہ اس کی رسائی ادب کے یک بڑے حلقے تک ہوگی۔

مجموعے کے مرتب حضرت یاور وارثی صاحب کے کہنے کے مطابق حضرت نور الحسن نوؔر صاحب کو اپنی درویشانہ صفت کے باعث کلام کی اشاعت سے اتنی دلچسپی نہیں ہے مگر مسلسل اصرار پر حضرت راضی ہوئے تو اسے شایع کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ عاشقانِ رسولا رو بزرگانِ دین کے عقیدت مندوں میں اس کی خاطر خواہ پذیرائی کی جائے گی۔ اس کی قیمت ہے ۱۰۰/ روپے اور ملنے کا پتہ: آستانۂ عالیہ نوابیہ۔ قاضی پور شریف۔ ضلع فتح پور ہسوہ (یوپی)

منظومات

امیدِ وفا

کلامِ حضور تاج الشریعہ

میری میت پہ یہ احباب کا ماتم کیا ہے
شور کیسا ہے یہ اور زاریِ پیہم کیا ہے

وائے حسرت دمِ آخر بھی نہ آکر پوچھا
مدعا کچھ تو بتا دیدۂ پر نم کیا ہے

کچھ بگڑتا تو نہیں موت سے اپنی یارو
ہم صفیرانِ گلستاں نہ رہے ہم کیا ہے

ان خیالات میں گم تھا کہ جھنجھوڑا مجھ کو
ایک انجانی سی آواز نے اک دَم کیا ہے

کون ہوتا ہے مصیبت میں شریک و ہمدم
ہوش میں آ، یہ نشہ سا تجھے ہر دم کیا ہے

کیف و مستی میں یہ مدہوش زمانے والے
خاک جانیں غم و آلام کا عالم کیا ہے

ان سے امیدِ وفا، ہائے تری نادانی
کیا خبر ان کو یہ کردارِ معظم کیا ہے

وہ جو ہیں ہم سے گریزاں تو بَلا سے اپنی
جب یہی طَورِ جہاں ہے تو بھلا غم کیا ہے

میٹھی باتوں پہ نہ جا اہلِ جہاں کی اخترؔ
عقل کو کام میں لا غفلتِ پیہم کیا ہے

نبی سے جو ہو بیگانہ اسے دل سے جدا کردیں

جہاں بانی عطا کر دیں بھری جنت ہبہ کر دیں
نبی مختار کل ہیں جس کو جو چاہیں عطا کر دیں
جہاں میں ان کی چلتی ہے وہ دم میں کیا سے کیا کردیں
زمیں کو آسماں کردیں ثریا کو ثرا کر دیں
فضا میں اڑنے والے یوں نہ اترائیں ندا کردیں
وہ جب چاہیں جسے چاہیں فرماں روا کر دیں
مری مشکل کو یوں آساں مرے مشکل کشا کردیں
ہر اک موج بلا کو میرے مولی ناخدا کردیں
منور میری آنکھوں کو مرے شمس الضحیٰ کر دیں
غموں کی دھوپ میں وہ سایۂ زلف دوتا کردیں
عطا ہو بیخودی مجھ کو خودی میری ہوا کر دیں
مجھے یوں اپنی الفت میں مرے مولی فنا کردیں
جہاں میں عام پیغام شہ احمد رضا کر دیں
پلٹ کر پیچھے دیکھیں پھر سے تجدید وفا کردیں
نبی سے جو ہو بیگانہ اسے دل سے جدا کردیں
پدر، مادر، برادر، مال و جان ان پر فدا کر دیں
تبسم سے گماں گزرے شب تاریک پر دن کا
ضیائے رخ سے دیواروں کو روشن آئینہ کردیں
کسی کو وہ ہنساتے ہیں کسی کو وہ رلاتے ہیں
وہ یونہی آزماتے ہیں وہ اب تو فیصلہ کردیں
گل طیبہ میں مل جاؤں گلوں میں مل کے کھل جاؤں
حیات جاودانی سے مجھے یوں آشنا کر دیں
انہیں منظور ہے جب تک یہ دور آزمائش ہے
نہ چاہیں تو ابھی وہ ختم دور ابتلا کردیں
سگ آوارۂ صحرا سے اکتا سی گئی دنیا
بچاؤ اب زمانے کا سگان مصطفی کر دیں
مجھے کیا فکر ہو اخترؔ مرے یاور ہیں وہ یاور
بلاؤں کو جو میری خود گرفتار بلا کر دیں

از: علامہ اختر رضا خاں ازہری علیہ الرحمہ

آسمانِ حق پہ رخشندہ ہے تو

صورتِ خورشید تابندہ ہے تو
چھپ گیا لیکن درخشندہ ہے تو

موت سے بھی مر نہیں سکتا کبھی
تو شہیدِ عشق ہے، زندہ ہے تو

فیضِ علم و معرفت ہوگا نہ کم
تا قیامت ابرِ بارندہ ہے تو

کیسے بھولیں گے تجھے اہلِ سنن
آسمانِ حق پہ رخشندہ ہے تو

استقامت کا ہمالہ تیری ذات
اہلِ تقویٰ کا نمائندہ ہے تو

تیری حکمت کا چمن ہے بے خزاں
اے بہارِ علم پائندہ ہے تو

اخترِ چرخِ رضا تیرا وجود
نور سے ماحول سازندہ ہے تو

عرس کا دن ہے ترا یومِ وصال
جلوۂ محبوب یابندہ ہے تو

تجھ پہ سیفیؔ ہے یہ فیضِ ازہریؔ
ان کا جو نغمہ نویسندہ ہے تو

از: سید شاکر حسین سیفی

سفرآخرت

دبستانِ حافظِ ملت کا ایک اور چراغ بجھ گیا

محمد ولی اللہ قادری

ضیغم اہل سنت حضرت علامہ مولانا عبدالعزیز خاں قادری علیہ الرحمۃ کے وصال کے غم سے اہالیان بہار ابھر نہیں پائے تھے کہ ۱۳؍ رمضان المبارک ۱۴۳۹ھ مطابق ۳۰؍ مئی ۲۰۱۸ء بروز بدھ حضرت کے رفیق خاص اور دبستان حافظ ملت علیہ الرحمۃ کا روشن چراغ حضرت مولانا غلام صابر المعروف بہ محمد عالم گیر رضوی مصباحی، سابق پرنسپل وشیخ الحدیث جامعہ شمسیہ تیغیہ بڑہریا، سیوان اللہ کو پیارے ہوگئے۔ حضرت کے انتقال کی اطلاع ڈاکٹر علی احمد سابق استاد شعبۂ انگریزی، زیڈ۔اے۔ اسلامیہ کالج سیوان نے بذریعہ فون راقم کو دی۔ انتقال کی خبر نے مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا کہ تقریباً دو ماہ قبل حضور ضیغم اہل سنت علیہ الرحمۃ کے پہلا سالانہ عرس کے موقع پر حضرت مولانا محمد عالم گیر رضوی مصباحی کی زیارت ہوئی تھی۔ مورخہ ۱۵؍ رمضان المبارک ۱۴۳۹ھ مطابق یکم جون ۲۰۱۸ء بروز جمعہ سوا آٹھ بجے صبح مولانا ابوالحسن مصباحی کی اقتدا میں نماز جنازہ ادا کی گئی اور حضرت کے آبائی قبرستان دھوبولیا، ضلع گوپال گنج میں سپرد خاک کیا گیا۔ جنازہ میں علما، حفاظ، ائمہ کے ساتھ کثیر تعداد میں عوام اہل سنت نے شریک ہوکر خراج عقیدت پیش کیا۔ شرکا میں مولانا صبغۃ اللہ مصباحی بنکی کھال، مولانا وصی احمد وسیم صدیقی سابق صدر المدرسین دارالعلوم اسلامیہ روناہی ضلع فیض آباد، مولانا افتخار احمد قادری پرنسپل جامعہ شمسیہ تیغیہ بڑہریا سیوان، مولانا عقیل احمد مصباحی سربراہ اعلی جامعہ شمسیہ تیغیہ بڑہریا سیوان، مولانا محمد غیاث الدین، مولانا خلیل اللہ قادری، مولانا انصاف علی خان، مولانا ثناء اللہ مصباحی پٹنہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

نماز جنازہ سے قبل مولانا عالم گیر رضوی مصباحی کے ہم سبق ساتھی حضرت مولانا ابوالحسن مصباحی نے جذبات سے پر گفتگو فرمائی، انھوں نے فرمایا کہ مولانا عالم گیر رضوی مصباحی کی موت کا غم کا اثر اس قدر مجھ پر ہے کہ میں اپنی زندگی میں ہی اپنی موت کا تصور کر رہا ہوں۔ شہزادۂ ضیغم اہل سنت مولانا عقیل احمد مصباحی نے میڈیا کے نمائندوں سے گفتگو کے دوران فرمایا کہ والد بزرگوار حضرت مولانا عبدالعزیز خاں قادری علیہ الرحمۃ کے وصال کے بعد استاد مکرم حضرت مولانا عالم گیر رضوی مصباحی بالخصوص میرے لیے اور بالعموم جامعہ شمسیہ تیغیہ بڑہریا کے لیے عظیم سایہ تھے۔ افسوس صد افسوس کہ وہ سایہ ہم سے جدا ہوگیا۔ وہ سایہ اس قدر جدا ہوگیا کہ اب اس کی جگہ پر کرنے والا دور تک نظر نہیں آتا۔ مولانا عالم گیر رضوی مصباحی علیہ الرحمۃ کے وصال کے بعد جامعہ شمسیہ تیغیہ بڑہریا سے وابستہ حضرات اور علاقہ کے عوام اہل سنت کو ضیغم اہل سنت کے وصال کی یاد تازہ ہوگئی ہے۔

حضرت مولانا عالم گیر رضوی کی پیدائش ۱۳۶۴ھ میں ایک علمی خاندان میں ہوئی۔ آپ کے والد محترم حافظ ہدایت علی تھے جن کا وصال مئی ۱۹۷۳ء میں ہوا۔ آپ کا تاریخی نام "غلام صابر" رکھا گیا۔ آپ کا وطن اصلی دھوبولیا، ضلع گوپال گنج ہے۔ جہاں آپ کی ابتدائی تعلیم ہوئی۔ پھر دارالعلوم اہل سنت عتیقیہ تلسی پور ضلع بلرام پور قدیم ضلع گونڈہ میں ہوئی۔ تلسی پور میں دوران تعلیم ہی ۱۹۵۹ء میں تاج دار اہل سنت حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ سے بیعت ہوگئے۔ دارالعلوم عتیقیہ تلسی پور کے جن اساتذۂ کرام سے فیض یاب ہوئے ان میں مولانا عتیق الرحمان خاں، مولانا کمال احمد خاں، مولانا شکیل احمد خاں اور جناب دانش علی فریدی قابل ذکر ہیں۔

۱۹۶۰ء میں مولانا عالم گیر رضوی دارالعلوم اہل سنت اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور تشریف لے گئے اور وہاں کے باوقار اساتذۂ کرام سے فیض یاب ہوئے۔ مسلسل سات سالوں تک اشرفیہ میں تحصیل علم کے بعد ۱۹۶۷ء میں وہاں سے دستار فضیلت اور سند حاصل کی، اشرفیہ کے اساتذہ میں حافظ ملت شاہ عبدالعزیز محدث مبارک پوری اور ان کے نام ور تلامذہ کے ذریعہ آپ کی علمی تربیت ہوئی۔

مولانا عالم گیر رضوی مسلسل نصف صدی تک علم دین کے فروغ اور خدمت خلق میں مصروف رہے۔ فراغت کے بعد آپ نے اپنے علاقہ بنکی کھال میر گنج کے مدرسہ میں خدمات انجام دیں۔ پھر تقریباً دو سالوں تک آسام میں امامت کی ذمہ داری بھی نبھائی۔ چاند کی رویت کے مسئلہ پر اختلاف اور بنگلہ دیش سے جنگ ہونے کے سبب آپ اپنے وطن لوٹ آئے۔ چند ماہ آپ جگہ کی تلاش میں گھر پر رہے لیکن اس دوران ضیغم اہل سنت علیہ الرحمۃ کے ساتھ شب و روز گذارتے رہے۔ اس دوران ایک عجب واقعہ رونما ہوا جو جامعہ شمسیہ تیغیہ بڑہریا سے وابستگی کا سبب بھی بنا۔ حضرت مولانا عالم گیر صاحب نے جگہ کے لیے مولانا صاحب حسین مصباحی پپاؤر سیوان سے گذارش کی اور انھوں نے مناسب جگہ کی تلاش شروع کر دی اسی دوران جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا عظیم الشان جلسہ بھی ہوا جس میں موجودہ جامعہ اشرفیہ کی بنیاد پڑی، اس جلسہ میں مولانا عالم گیر مصباحی، مولانا صاحب حسین مصباحی کے ہمراہ اشرفیہ تشریف لے

گئے۔ وہیں جگہ کا انتخاب ہوا اور یہ بات بھی عجیب و غریب رہی کہ اس جلسہ میں ضیغم اہل سنت علیہ الرحمہ بھی شریک تھے اس کے باوجود اس پروگرام سے وہ باخبر نہیں تھے۔

بہر کیف پروگرام کے مطابق مولانا عالم گیر رضوی نے سفر کی تیاری شروع کر دی۔ سفر پر روانہ ہونے کے روز آپ ضیغم اہل سنت علیہ الرحمہ سے ملنے بڑہریا گئے اور اپنے ارادہ سے انہیں باخبر کیا اور سفر کی اجازت طلب کی۔ ضیغم اہل سنت علیہ الرحمہ مولانا عالم گیر کو اجازت نہیں دی اور فرمایا کہ آپ کو کہیں جانے کی ضرورت نہیں ۔آپ ہمارے ساتھ رہیں۔ اس کے بعد آپ باضابطہ طور پر بڑہریا مدرسہ سے وابستہ ہو گئے۔ یہ سنہ ۱۹۷۳ء کی بات ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ مولانا عالم گیر رضوی سے ضیغم اہل سنت علیہ الرحمہ اور بڑہریا مدرسہ کو کافی تقویت ملی۔

حضرت مولانا عالم گیر رضوی مصباحی نے درس و تدریس کے علاوہ چندہ وصولی کے ذریعہ بھی ضیغم اہل سنت کا ہاتھ بنٹایا۔ بہار اسٹیٹ مدرسہ ایجوکیشن بورڈ پٹنہ سے مدرسہ کا الحاق ہونے کے بعد سرکاری خط و کتابت کا معاملہ ہو یا دیگر کاغذات کے متعلق معلومات ہو، مولانا عالم گیر رضوی نے ضیغم اہل سنت کا ساتھ دیا۔ حضور ضیغم اہل سنت علیہ الرحمہ سے زیادہ صاف اور خوش خط تحریر مولانا عالم گیر رضوی مصباحی کی تھی۔ مولانا عالم گیر رضوی مصباحی کی انگریزی اور ہندی کی تحریر بھی خوش خط تھی۔

۱۹۷۳ء میں جب مولانا عالم گیر رضوی مصباحی مدرسہ بڑہریا سے وابستہ ہوئے، اسی سال اس ادارہ کے زیر اہتمام سہ روزہ عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا جس میں حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی تشریف آوری ہوئی تھی۔ اس جلسہ میں مقررین علما و مشائخ سے خط و کتابت کی ذمہ داری مولانا عالم گیر رضوی مصباحی نے نبھائی۔

مولانا عالم گیر رضوی جب بڑہریا مدرسہ سے وابستہ ہوئے تو ضیغم اہل سنت علیہ الرحمہ اور ان کی مشترکہ کوشش سے بڑہریا مدرسہ کا تعلیمی معیار بلند ہوا۔ مدرسہ شمسیہ تیغیہ انوار العلوم کے نام سے ملحق مدرسہ بہت جلد جامعہ کی شکل اختیار کر لیا۔ اس ادارہ کی انفرادی خصوصیت یہ رہی کہ شمالی بہار میں حکومتی گرانٹ کا صحیح مصرف اسی ادارہ نے کیا۔ مدرسہ بڑہریا نے جس طریقے سے درس عالیہ اور نظامیہ کا مشترکہ نصاب تیار کر کے مذہبی تعلیم کو فروغ دیا وہ قابلِ صد ستائش ہے۔ اس ادارہ کی یہ خصوصیت بھی قابلِ ذکر ہے کہ شمالی بہار کے سنی مدارس میں واحد مدرسہ ہے جہاں اشرفیہ کے نصاب کے مطابق تعلیم کا نظم رہا۔ بایں وجہ شمالی بہار میں اس کی الگ شناخت قائم ہوئی۔

تلامذہ جامعہ شمسیہ تیغیہ کے اقوال اور اپنے مشاہدات کے تناظر میں راقم یہ کہنے میں حق بہ جانب ہے کہ ضیغم اہل سنت اور مولانا عالم گیر رضوی کے مابین جو الفت و محبت تھی وہ یقیناً قابلِ رشک اور قابلِ تقلید عمل ہے۔ دونوں ایک دوسرے کا بڑا ادب کرتے تھے۔ دونوں کی تدریسی صلاحیت مسلّم لیکن دونوں میں نمایاں فرق یہ تھا کہ ایک مقرر کی حیثیت سے مشہور ہوئے جب کہ دوسرے ایک صوفی باصفا عالم دین کی حیثیت سے۔ یہ دیگر بات ہے کہ دونوں نے تدریس کو ہی اولیت کا درجہ دیا۔ ضیغم اہل سنت نے تقریری میدان کا اگر انتخاب فرمایا تو وہ عوامی تقاضے اور ادارہ کی ضرورت کے مدنظر۔ اسی طرح صوفی باصفا حضرت مولانا عالم گیر رضوی نے تعویزات کو پیشہ نہیں بنایا بلکہ اگر ضرورت مند حاضر خدمت ہوتا تو اسے ضرور تعویز دیتے۔ لیکن دوران درس کسی کو تعویز نہیں دیتے۔ خارجی اوقات میں تعویز لکھتے اور لوگوں کو بلاتے۔ اگر کوئی شخص درس کے اوقات میں تعویز طلب کرتا تو سخت ناراض ہوتے۔

حضرت استاد مکرم مولانا عالم گیر رضوی سے شناسائی جامعہ شمسیہ تیغیہ بڑہریا میں ہوئی۔ راقم نے حضرت سے میزان الصرف، ہدایت النحو، کافیہ، شرح ماتہ عامل، شرح جامی بحث فعل، معلم الانشا، دیوان متنبی، دیوان حماسہ، آثار السنن، مؤطا امام محمد، پہلے پارہ سے پندرہ پارہ تک کی تفسیر، ہدایہ اولین وغیرہ جیسی کتابیں پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔ متذکرہ کتابوں کے فنون پر اگر غور کیا جائے تو یہ بات خود بہ خود ظاہر ہو جاتی ہے کہ استاذ مکرم متعدّد علوم و فنون پر دسترس رکھتے تھے۔ میں خود ہی حضرت کی درس گاہ کا گواہ ہوں کہ حضرت نے دوران درس جملہ کتابوں کی تدریس کا مکمل حق ادا کر دیا۔ آخر تدریس کا حق ادا کیوں نہیں کرتے کہ حضرت بغیر مطالعہ کیے درس نہیں دیتے۔ حضرت کی یہ خصوصیت بھی قابلِ ذکر ہے کہ حضرت اپنے مطالعہ والی کتاب سے درس دیتے۔ بہت سے اساتذہ کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ طلبا سے کتاب لے کر پڑھاتے ہیں۔ ان کے اس عمل سے ان کی صلاحیت پر اثر نہیں پڑتا لیکن کسی ایک کتاب کو بار بار مطالعہ کرنے سے جو نکتہ ذہن میں ہو وہ فوراً یاد آجاتا ہے۔ سرکاری مدرسہ کا استاذ ہونے کے باوجود مولانا عالم گیر رضوی نے علمی خدمات عبادت کے طور پر ادا کیا۔ اس لیے حضرت درس گاہ میں وقت پر حاضر رہتے اور ضرورت کے مطابق ہی رخصت لیتے۔ اسی وجہ سے ان کے زیر درس کتاب مکمل نصاب تک پہنچ جاتی۔ اگر طلبا ان کی درس گاہ میں نہیں پہنچ پاتے تو پہلے کسی سے خبر بھجواتے کہ فلاں جماعت کی گھنٹی ہے اس جماعت کو بھیجا جائے۔ کبھی کبھی جس کمرہ میں متذکرہ جماعت کے طلبا ہوتے اس کمرہ میں پہنچ کر طلبا کو بلانے جاتے اور انھیں درس دیتے۔ سرکاری مدرسہ کے اساتذہ پر الزام عاید کیا جاتا ہے کہ وہ نہیں پڑھاتے ہیں لیکن حضرت ان اساتذہ میں شامل نہیں تھے۔ ابتدائی جماعت کی کتابوں کا سبق بلاناغہ سنتے اور جو نہیں سناتا اُسے پہلے سلجھاتے پھر ضرورت پڑتی تو اُسے سرزنش بھی کرتے تھے۔

فن نحو کی کتاب میں کافیہ کی جو مقبولیت ہے اُسے بتانے کی قطعی ضرورت

نہیں۔اس کتاب کی تدریس کے دوران علم نحو پر حضرت کی مہارتِ تامہ کا یقین ہوجاتا۔اس کتاب کے مطالعہ کے دوران آپ عربی زبان کی متعدّد شروح کا مطالعہ کرتے۔ایک عبارت کی توضیح وتشریح متعدّد طریقے سے کرتے اور اس قدر انہماک سے تقریر کرتے کہ ایسا معلوم ہوتا کہ حضرت طلبا کے دماغ میں انڈیل دینا چاہتے ہیں۔چوں کہ حضرت کی آواز پست تھی اس لیے پیچھے بیٹھنے والے طلبا نہ صرف حضرت کی درس گاہ کے فیوض وبرکات سے محروم ہوجاتے بلکہ بعض طلبا ان کی درس گاہ کے ادب کو بھی ملحوظ نہیں کرتے۔

حدیث کی کتابوں میں آثارُ السنن اور موطا امام محمد کی تدریس کے وقت حضرت کا علمی فیض کچھ زیادہ زور پر ہوتا تھا۔حدیث کا درس دیتے وقت اصولِ حدیث کی جملہ تعریفات اور اصطلاحات کو بھی طلبا پر واضح فرمادیتے۔قرآن پاک کی تفسیر کا درس حضرت مولانا عالم گیر رضوی کنزالایمان کو سامنے رکھ کر دیتے یہ دیگر بات ہے کہ کنزالایمان، تفسیر خزائن العرفان تک ہی گفتگو محدود نہیں رکھتے بلکہ دیگر تفسیر کی کتابوں کے حوالہ جات سے حضرت کی تقریر مدلل ہوتی۔مطالعہ کے اوقات میں راقم دیکھتا کہ تفسیر نعیمی کا مطالعہ بڑے انہماک سے کرتے۔تفسیر روح البیان کا بھی مطالعہ فرماتے اسی طرح احادیث کی کتابوں میں مرقاۃ شرح مشکوۃ بھی مطالعہ کا حصہ بنتی۔تفسیر کا درس دینے کے دوران اہم آیات کی جب عالمانہ وصوفیانہ تفسیر بیان فرماتے تو دل باغ باغ ہوجاتا۔

عربی زبان وادب پر بھی استاذ مکرم کی گہری نظر تھی بلکہ غیر منقسم سارن ضلع کے علما میں حضرت عربی زبان کی کتابوں کے درس کے دوران ماحول دوسرا ہوتا۔حضرت جب دیوانِ متنبی کے اشعار کا ترجمہ اور تشریح فرماتے تو طلبا خوب محظوظ ہوتے اور مزہ لیتے ہوئے خوب ہنستے کیوں کہ دیوانِ متنبی کے اشعار کی تشریح اور ان کی خصوصات کو جس انداز میں بیان فرماتے طلبا کی نظر میں وہ حضرت کی صوفیانہ شخصیت کے برعکس تھا۔اس لئے پچھلی صف میں بیٹھے طلبا اپنی ہنسی کو روک بھی نہیں پاتے اور جب اپنے کمرہ میں آتے تو درس گاہ کا تذکرہ خوب ہوتا۔معلم الانشاء کی مشق وتمرین اپنے سامنے حل کرواتے، عربی زبان وادب پر حضرت کی صلاحیت کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔سیوان کی ایک بزرگ علمی شخصیت حضرت علامہ شبیہ القادری نے عربی زبان میں ایک کتاب "القرأۃ المرشیدہ" تالیف فرمائی تو اس پر نظر ثانی کے لیے انھوں نے مولانا عالم گیر رضوی کے ہی حوالے فرمایا جس کا ذکر مولانا شبیہ القادری نے کتاب میں کیا ہے اور مولانا رضوی کا شکریہ ادا کیا ہے۔اس دور کے تلامذۃ جامعہ شمسیہ تیغیہ نے راقم کو بتایا کہ حضرت عالم گیر رضوی نے مسودہ کی کاپہ پر لال قلم اس قدر چلایا کہ اُسے نظر ثانی کہنا بڑی ناانصافی ہوگی۔حضرت کے ایک شاگرد نے بتایا کہ انھوں نے مسودہ کے لیے اس قدر محنت کی کہ یہ فیصلہ کرنا ذرا مشکل ہوگیا کہ مؤلف کتاب کی عبارت زیادہ ہے یا مصلح کی۔بہرکیف "القرأۃ المرشیدہ" آج بھی مولف کتاب کے ساتھ حضرت استاذ مکرم کی عربی دانی کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔

استاذ مکرم مولانا عالم گیر رضوی ہر چند میدان تدریس کے تاریخ تھے اور جملہ درسی کتابوں کی تدریس کے اہل تھے لیکن ان کے پاس منطق وفلسفہ کی کتاب کی گھنٹی نہیں تھی۔جہاں تک فقہ اور اصول کی بات ہے تو مذکورہ فنون کی کتابوں پر مکمل دسترس رکھتے تھے کیوں کہ جب ضیغم اہل سنت علیہ الرحمہ حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے تو ان کے حصے کی کتابوں کا درس حضرت نے دیا تھا۔اور سوالات کی ترتیب سے بھی حضرت کی فقہی صلاحیت کا اندازہ ہی نہیں یقین ہوجاتا ہے۔یہاں یہ بھی یاد رہے کہ مولانا عالم گیر رضوی میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں بالکل تقریر نہیں کرتے۔جب بھی حضرت کی تقریر نہ کرنے کی بات ہوتی ضیغم اہل سنت علیہ الرحمہ حضرت علامہ حافظ عبد الرؤف علیہ الرحمہ کا ذکر فرماتے کہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ اکثر وبیشتر حضرت علامہ حافظ عبد الرؤف علیہ الرحمہ سے فرماتے کہ آپ مسلم شریف کی ایک ایک حدیث کی تشریح وتوضیح گھنٹوں بیان کرتے ہیں اگر اسی درس گاہی تقریر کو عوامی مجلس میں بیان کردیں تو کیا ہی اچھا ہوتا۔اس کے باوجود حضرت حافظ عبد الرؤف علیہ الرحمہ عوامی جلسہ سے دور رہے۔یہی حال حضرت مولانا عالم گیر رضوی مصباحی کا رہا۔حضرت مولانا عالم گیر صاحب کی تقریر نہ کرنے کے واقعہ سے بڑہریا اور مضافات کے عوام واقف تھے۔بایں وجہ عقیدت مند اور تلامذہ حضرت کو محض دعا کے لیے مدعو کرتے اور دعا کے فیوض سے مستفید ہوتے۔راقم کو زندگی میں اب تک جو کامیابی ملی ہے اس میں استاذ مکرم مولانا عالم گیر رضوی کی دعاؤں کا نمایاں حصہ ہے۔

حضرت مولانا عالم گیر رضوی مصباحی نے اپنی زندگی مکمل سادگی لیکن وقار کے ساتھ بسر کی۔راقم الحروف اپنے جملہ اساتذۂ کرام میں ان جیسا منکسر المزاج کسی دوسری علمی شخصیت کو نہیں پایا۔حضرت اپنا سب کام خود کرلیتے تھے۔یہاں تک کتاب کی جلد سازی اور کپڑے اور لباس میں پیوند کاری خود کرتے تھے۔لباس میں پیوند لگا کر استعمال کے قابل بنانے کا واقعہ عجیب و غریب نہیں لیکن جھاڑو اور ہاتھ کا پنکھا اگر زخمی ہوجائے تو اس کو کاغذ یا چمکی لگا کر مرمت کرنا پھر اس کو استعمال میں لانا ضرور عجیب وغریب ہے اور فی زمانہ استاذ مکرم مولانا عالم گیر رضوی جیسی صوفی باصفا شخصیت کا حصہ تھا۔

مولانا محمد عالم گیر رضوی نے جس طرح سادہ زندگی بسر کی اسی طرح سادہ کھانا پسند فرماتے۔جامعہ شمسیہ تیغیہ بڑہریا میں دوران طالبِ علم حضرت کی خدمت کا شرف حاصل رہا۔اس لیے ان کے خوردونوش کے بارے میں میرا تجربہ رہا۔حضرت ہمیشہ روٹی اور دال پسند فرماتے۔انھیں عمدہ سالن کا بھی ذوق نہ رہا۔روٹی کے ساتھ پتلی دال بہت پسند فرماتے۔اگر گاڑھی دال آجاتی تو اوپر کا

پانی لے لیتے اور اصلی دال اپنے خادم کو دے دیتے۔ جامعہ شمسیہ تیغیہ میں اساتذۂ کرام کے لیے سالن کا خاص اہتمام ہوتا تھا تقریباً اساتذہ کے لیے ہر روز گوشت پکتا تھا لیکن حضرت کو گوشت اور عمدہ سالن کی فکر نہ ہوتی حضرت کے لیے کبھی کبھار عمدہ سالن آ بھی جاتا تو طلبا کو کھلا دیتے۔ بارہا دیکھا گیا کہ آپ روٹی اور نمک بہ شوق تناول فرما رہے ہیں۔

کسی بھی شخصیت کی جانچ پرکھ اس کے وطن سے ہوتی ہے۔ اگر بستی والوں کی نظر میں وہ شخص اچھا ہے تو اُسے اعلیٰ شخصیت کہا جائے گا۔ ورنہ باہر میں تو ہر ایک کی عزت ہوتی ہے۔ مولانا عالم گیر رضوی جس طرح بڑہریا والوں کے لیے محبوبِ نظر تھے اس سے زیادہ اپنے وطن اور مضافات کے مسلمانوں کے مابین ۔ آپ اپنے گاؤں کی عید گاہ میں زندگی بھر عیدین کی امامت فرماتے رہے۔ ایک سال کی بات ہے کہ بڑہریا عید گاہ کے امام عمرہ پر تشریف لے گئے تو بڑہریا میں یہ گفتگو موضوع بحث بن گئی کہ امسال بڑہریا عید گاہ میں کون امامت کرے گا؟ درجن بھر گاؤں کے لوگوں نے ایک مشورہ کیا، جملہ شرکا نے اتفاق رائے سے مولانا عالم گیر کا نام لیا۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ معاملہ کیسے طے ہو اور ان سے کیسے گذارش کی جائے۔ بہر کیف کمیٹی نے گذارش کی تو مولانا صاحب نے عذر پیش کیا اور مدرسہ کے دیگر مدرسین میں سے کسی ایک سے امامت کا مشورہ دیا لیکن کمیٹی والے بضد تھے کہ امامت مولانا عالم گیر رضوی ہی فرمائیں گے کیوں کہ دوسرے کے نام پر اختلاف ہوگیا۔ چوں کہ ضیغم اہل سنت علیہ الرحمۃ تیتہلی عید گاہ میں امامت فرماتے تھے اس لیے وہ معاملہ الجھ گیا۔ حالات کو دیکھتے ہوئے مولانا عالم گیر رضوی نے اپنی بستی کی عید گاہ میں الحاق عید الفطر کی نماز کے لیے حضرت حافظ اصغر علی مدرس جامعہ شمسیہ تیغیہ بڑہریا کو بھیجا اور بڑہریا عید گاہ میں عید کی نماز پڑھائی۔

بڑہریا میں ذات پات کی وبا کم نہیں لیکن مولانا عالم گیر رضوی کی شرافت اور زہد وتقویٰ کے سبب سبھی برادری کے مسلمان انھیں عزیز رکھتے تھے۔ کیا انصاری، کیا پٹھان اور کیا شیخ سبھی کی نظر میں حضرت کی شخصیت مسلم تھی۔ اپنے پانچ سال کے قیام کے دوران چند۔ ناعاقبت اندیش مسلمانوں سے ضیغم اہل کے متعلق شکایت تو سنی لیکن مولانا عالمگیر رضوی کے سلسلے میں کسی زبان سے شکوہ نہیں۔ ہاں چند مولوی جو ضیغم اہل سنت کے مخالف تھے ان کا نظریہ حضرت عالم گیر رضوی کے متعلق بھی گمراہ کن تھا۔ جامعہ کے فارغین طلبا بھی جامعہ کے اساتذہ میں مولانا عالم گیر رضوی کا سب سے زیادہ ادب کرتے تھے۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ حضرت کی مذہبی خدمات کو قبول فرمائے اور ان کے درجات کو بلند فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

امین شریعت ثالث مفتی عبدالواجد نیر القادری کا وصال

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کا تعزیت نامہ

از: رحمت اللہ مصباحی، نمائندہ روزنامہ انقلاب لکھنؤ

انتہائی غم وافسوس کی بات ہے کہ امین شریعت ثالث مفتی عبدالواجد نیر القادری ۲۶ر جولائی ۲۰۱۸ء کو ایمسٹرڈم ہالینڈ میں اللہ کو پیارے ہوگئے۔ ابھی چند دنوں پہلے بریلی شریف میں علامہ ابراہیم خوشتر صدیقی سمینار و کانفرنس میں آپ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا تھا، بفضلہ تعالیٰ اس وقت ایک ذمہ دار اور باصلاحیت مفتی کی حیثیت سے ان کا خطاب بھی سماعت کیا تھا، مگر کون جانتا تھا کہ علم وفضل فقہ وتصوف اور شعر وسخن کا یہ تاجدار اتنی جلدی ہم سب کی نگاہوں سے اوجھل ہو جائے گا۔ مذکورہ خیالات کا اظہار مولانا مبارک حسین مصباحی چیف ایڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور نے اپنے ایک تعزیتی بیان میں انقلاب سے گفتگو کے دوران کیا. مولانا موصوف نے مزید کہا کہ وصال کے وقت مفتی عبد الواجد نیر القادری کی عمر تقریباً ۸۷ سال تھی. آپ کی ولادت ۱۹ فروری ۱۹۳۲ حقیقی (اور ۱۹۳۷) تحریری میں موضع دو گھر اجالے ضلع دربھنگہ میں ہوئی آپ نے مختلف تعلیمی مراحل سے گزر کر فراغت حاصل فرمائی۔ آپ ۴ جولائی ۲۰۱۸ کو ہالینڈ کے لیے روانہ ہوئے تھے آپ ہالینڈ میں برسوں سے تعلیمی، تبلیغی، دعوتی اور فتویٰ نویسی کی خدمات انجام دے رہے تھے۔ آپ نے درجنوں کتابیں تصنیف فرمائیں جن کے انگریزی، ڈچ، نیپالی زبانوں میں تراجم بھی ہوئے آپ کی اہم تصانیف میں فتاویٰ یورپ، فتاویٰ شرعیہ سات جلد، قابل صد افتخار ہیں۔ آپ ایک بلند پایہ شاعر بھی تھے آپ نے دنیا کے مختلف ممالک کے دورے بھی فرمائے۔ "کائنات آرزو" کے نام سے سفرنامہ بھی تحریر فرمایا آپ نے حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا علیہ الرحمۃ کی زیارت بھی فرمائی سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ اور دیگر اکابر اہلسنت سے آپ کو خلافتیں اور اجازتیں بھی حاصل ہیں۔ آپ کا جنازہ دربھنگا بہار پہنچا اور وہیں آپ کی تجہیز وتدفین بھی ہوئی۔ دنیا بھر میں آپ کے چاہنے والوں کی ایک لمبی فہرست ہے اور آپ کی دعائے مغفرت کے لیے ملک اور بیرون ملک میں ایصال ثواب کے سلسلے بھی جاری ہیں۔ ہم ان کے پس ماندگان اور خاص طور پر ان کے صاحب زادے مولانا مفتی فیضان الرحمٰن سبحانی اور دیگر اہل خانہ کے لیے صبر وشکر کی دعا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ حضرت علامہ مفتی عبدالواجد نیر القادری کی مغفرت فرمائے آمین۔ ☆☆☆

صداے بازگشت

ماہ نامہ اشرفیہ کا حالیہ شمارہ بے حد وقیع اور مفید ہے

۲۶؍جولائی ۲۰۱۸ء

محترمی مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب !السلام علیکم

ماہنامہ ”اشرفیہ“ پابندی سے مل رہا ہے جس کے لیے میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں۔ اس وقت جون ۲۰۱۸ء کا شمارہ پیشِ نظر ہے۔ دینی وعصری موضوعات پر مبنی مضامین بصیرت افروز ہونے کے ساتھ ساتھ معلوماتی بھی ہیں۔ خصوصاً ڈاکٹر ذاکر نائک کے نظریۂ الوہیت کا تنقیدی جائزہ‘اسلام میں شجر کاری کے فوائد”ملک میں فسادات: ہم کیا کریں ایسے مضامین ہیں جو فکر کو انگیز کرتے ہیں۔ دینی وملی مضامین بھی لائق تعریف ہیں۔ مجموعی طور پر یہ شمارہ حسبِ سابق بے حد وقیع اور مفید ہے۔ اللہ تعالیٰ سے میری دعا ہے کہ یہ رسالہ یوں ہی ارتقائی منزلیں طے کرتا رہے۔

اپنی مصروفیت کے باعث وقت ہی نہیں ملتا کہ رسید کی اطلاع دوں یا کچھ تخلیقات بھیجوں۔ آج ذرا وقت ملا ہے تو یہ تبصرہ ارسال کر رہا ہوں۔ شاملِ اشاعت کرلیں تو عنایت ہوگی۔

دراصل فتح پور سے قاری اخلاق احمد صاحب نے حضرت سید محمد نور الحسن نوابی کا مجموعہ ” وسلموا تسلیما“تبصرے کے لیے ایسے وقت مین بھیجا ہے جب کہ ”ادبی محاذ“ کا اگلا شمارہ طباعتی مراحل میں ہے۔ اس میں اس تبصرے کی شمولیت کا امکان نہیں۔ اس لیے آپ کے پاس بھیج رہا ہوں۔ آپ کا رسالہ ان کے پاس ضرور جاتا ہوگا۔ وہ تبصرہ دیکھ کر خوش ہوجائیں گے۔ یہ تبصرہ ادبی محاذ کے اکتوبر۔ دسمبر کے شمارے میں بھی شائع ہوگا۔ آخر میں دو نعتیہ کلام بھی منسلک ہیں۔ خیر طلب

سعید رحمانی

مدیر اعلیٰ ادبی محاذ۔ دیوان بازار۔ کٹک۔۷۵۳۰۰۱ (اڑیسہ)

عاشق کا جنازہ تھا بڑی دھوم سے نکلا

مکرمی !۲۰؍جولائی ۲۰۱۸ بروز جمعہ بعد نماز مغرب عالمی شہرت یافتہ مرکزی شخصیت تاج الشریعہ جانشین مفتی اعظم ہند علامہ اختر رضا خان ازہری میاں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

۲۲؍جولائی بروز اتوار نماز ظہر کے بعد مزار اعلیٰ حضرت کے قریب ازہری گیسٹ ہاؤس میں آپ ہمیشہ کے لیے آسودۂ خاک ہوگئے۔ جنازہ کی نماز آپ کے صاحبزادے و جانشین علامہ عسجد رضا خان قادری نے پڑھائی۔

آپ کے انتقال سے پورا عالم اسلام اچانک سکتے میں آگیا بالخصوص سنی حلقوں میں غم واندوہ کی لہر دوڑ گئی۔ آپ کا آخری دیدار پانے اور نماز جنازہ میں شریک ہونے کے لئے لوگ جوق در جوق بریلی شریف کی طرف روانہ ہوگئے۔ قرب وجوار اور اطراف کے علاوہ ہندوستان میں سنی جماعت کا کوئی ادارہ، کوئی خانقاہ، تحریک اور تنظیم نہیں بچی ہوگی جس کے مندوبین تاج الشریعہ کی نماز جنازہ میں نہ پہنچے ہوں۔ بیرون ممالک سے بھی اہم دینی وملی شخصیات اور آپ کے مریدین ومعتقدین کثیر تعداد میں بریلی پہنچ کر اپنے پیرومرشد کے جنازہ میں شریک ہوئے اور خراج عقیدت پیش کیا۔ ہندوستان کی تاریخ میں شاید یہ پہلا موقع ہے کہ کسی عالم وشیخ کے جنازہ میں اتنی بڑی تعداد میں لوگ پروانہ وار شریک ہوئے جس کا صحیح اندازہ لگانا انتہائی مشکل ہے۔

انتقال کے بعد سے تدفین تک سوشل میڈیا اور اخبارات میں دینی وملی اور سیاسی وسماجی رہنماؤں کی جانب سے جو تعزیتی پیغامات نشر ہوئے ہیں وہ بھی اپنے آپ میں ایک بہت بڑا ریکارڈ ہے۔ یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے بلکہ آپ سے نظریاتی اختلافات رکھنے والوں نے بھی آپ کی رحلت پر گہرے صدمے کا اظہار کرتے ہوئے تعزیت پیش کی ہے۔ اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ تاج الشریعہ کی مقبولیت پورے عالم اسلام میں تھی۔ اللہ رب العزت جسے پسند فرماتا ہے اس کی محبت مخلوق کے دلوں میں ڈال دیتا ہے۔ تاج الشریعہ کی ذات زندگی ہی میں مرجع خلائق تھی۔ آپ عوام وخواص میں یکساں مقبول تھے۔ لیکن بعد انتقال امڈتے ہوئے سیلاب کی طرح عقیدت مندوں کے ہجوم نے یہ ثابت کردیا کہ آپ یقینا مقبول بارگاہ الٰہی ہیں۔

اللہ نے آپ کو گوناگوں خصوصیات سے نوازا تھا۔ علم وفضل تقویٰ و پرہیزگاری اور اخلاق وکردار کے اعتبار سے آپ اپنے معاصرین میں فائق وبرتر تھے۔ دینی علوم وفنون اور فقہ وفتاویٰ کی گیرائی وگہرائی میں آپ اعلیٰ

حضرت امام احمد رضا خان اور نانا جان مفتی اعظم ہند علیہما الرحمہ کے پر تو تھے۔ چہار لسانی ادب اردو، عربی، فارسی اور انگلش پر آپ کو عبور حاصل تھا۔ آپ نے اردو اور عربی وغیرہ میں اہم عناوین پر تقریباً ۵۰ ر کتب ورسائل لکھے جن سے اہل علم استفادہ کرتے رہیں گے۔ آپ کے قلم سے صادر ہونے والے فتاوے پانچ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہیں۔ آپ نعتیہ ومنقبتیہ شاعری کا بھی اعلی ذوق رکھتے تھے بلکہ دیگر فنون کی طرح یہ فن بھی آپ کو اپنے خانوادے سے وراثت میں ملا تھا۔ آپ کا نعتیہ دیوان ”سفینہ بخشش“ کے نام سے بہت پہلے شائع ہو چکا ہے۔ آپ ایک سچے عاشق رسول تھے۔ عشق رسالت کے اظہار کے لیے آپ نے نعتیہ شاعری کو وسیلہ بنایا۔ حضور ازہری میاں ایک شیخ کامل و بزرگ کی حیثیت سے لاکھوں افراد کو بیعت کر کے سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ میں داخل کیا۔ گرچہ حضرت اب ہمارے درمیان نہیں رہے لیکن آپ کے علمی آثار اور روحانی فیوض ہمیں ہر موڑ پر سہارا دیتے رہیں گے۔

از: مولانا محمد عرفان قادری

استاذ مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن شاہی مسجد بڑا چاند گنج لکھنؤ

یورپ کی ایک خوب صورت مسجد۔ مسجدِ رضا

۷ر جولائی ۲۰۱۸ء بعد نماز ظہر حاجی شیر عالم صاحب کے ساتھ مانچسٹر کے مضافات میں واقع شہر ایکرنگٹن (Accrington) کی مسجد رضا کی زیارت کا موقع ملا۔ جیسے ہی حاجی صاحب کی گاڑی مسجد کے کار پارک میں ٹھہری، میری آنکھیں مسجد رضا کی فلک بوس اور جدید سہولتوں سے آراستہ خوب صورت اور وسیع عمارت کو دیکھ کر حیرت زدہ بھی تھیں اور ماضی کے بادشاہوں کی قائم کردہ شاہی مساجد کی عمارتوں کے نظارے بھی چشم تصور میں گھوم رہے تھے۔ ہم مرکزی دروازہ سے داخل ہوئے، ہم نے وضو خانہ دیکھا اور دیگر حصوں کی زیارت کی۔ اسی درمیان مسجد رضا کے خصوصی معاون حاجی جاوید صاحب سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے ہمارا پر خلوص استقبال کیا، پھر مسجد کی پوری عمارت ساتھ چل کر دکھائی۔

پر شکوہ، دیدہ زیب، جدید آلات سے لیس، ہر قسم کی سہولیات سے آراستہ، کھلی فضا میں واقع یہ عمارت دیکھ کر دل سے بے شمار دعائیں نکلیں۔ جب ہم لوگ آفس میں بیٹھے تو میں نے عرض کیا کہ مسجد کی تاریخ سے ہمیں آگاہی دیں تو حاجی شیر عالم صاحب اور حاجی جاوید صاحب نے بتایا کہ یہ مسجد ۱۹۶۹ء میں ایک مختصر سی جگہ میں قائم ہوئی، پھر جب ضرورت بڑھ گئی تو ۱۹۸۸ء میں اس سے وسیع جگہ خریدی گئی اور پھر وہیں نمازِ جمعہ اور نماز عیدین ادا کرتے رہے، بالآخر ۲۰۱۲ء میں ایک بڑی مسجد بنانے کا پروگرام بنا اور بڑی جگہ کی تلاش ہونے لگی۔

حاجی جاوید صاحب نے بتایا کہ اس عمارت کا ایک حصہ میری ملکیت میں تھا، میں نے وہ زمین مسجد کے لیے وقف کر دیا، پھر دوسرا حصہ احباب کے تعاون سے خریدا گیا۔ پھر مسجد رضا کی جدید تعمیر کا آغاز ہوا اور دو سال تین ماہ میں ۶ کروڑ ۷ پچاس لاکھ روپے (۸۵ر لاکھ پاؤنڈ) کی لاگت سے یہ مسجد تعمیر ہوئی۔

اس مسجد کی تعمیر میں حاجی جاوید صاحب اور ان کے اہل خانہ ۹۵ر فیصد رقم لگائی۔ دیگر مسلمانوں نے کچھ حصہ لیا۔ اس مسجد میں تقریباً پانچ ہزار نمازیوں کی گنجائش ہے۔ یقیناً اس مسجد کے قیام پر حاجی جاوید کے والد مرحوم حاجی علی محمد اور ان کے احباب جزائے خیر کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام کی مغفرت فرمائے، ان میں جو باحیات ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو دونوں جہاں کی سعادتوں سے وافر حصہ عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامین علیہ الصلاۃ والتسلیم۔

اس مسجد کا نام مسجد رضا ۱۹۶۹ء میں ہی رکھا گیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ۱۹۶۰ء کے بعد جب برطانیہ میں مسلمانوں کی آمد شروع ہوئی تو امام اہل سنت اعلیٰ حضرت قدس سرہ النورانی کے نام پر مسجد کا قیام مسلمانانِ اہلِ سنت نے شروع کر دیا تھا۔ یہ خوب صورت مسجد امام اہلِ سنت کے نام سے موسوم کرنا ان سے سچے تعلق کی دلیل ہے۔ اب امام اہلِ سنت کے وصال کو سو سال پورے ہو چکے ہیں۔ عرس صد سالہ کی مناسبت سے مختلف قسم کی خدمات انجام دینے کے پروگرام بنائے جا رہے ہیں۔ یورپین ممالک میں امام اہلِ سنت سے منسوب مساجد و مدارس کا تعارف بھی جمع کیا جائے تو ایک تاریخی سرمایہ اکٹھا ہو سکتا ہے۔ ان مدارس میں قیام پزیر علمائے اہلِ سنت سے توجہ کی گذارش ہے۔

از: مولانا محمد نظام الدین مصباحی، بلیک برن، یوکے

بلرام پور (یوپی) میں ماہنامہ اشرفیہ حاصل کریں

مدرسہ عربیہ فیض العلوم

پیپری، بنگرھ، پوسٹ امواباس

حبروا، بلرام پور (یوپی)

خیر و خبر

جامعہ ایوبیہ میں افتتاحِ بخاری شریف

عہدِ رسالت کے بعد احادیثِ نبویہ کی جمع و تدوین میں محدثین و ناقدین نے حیرت انگیز محنتیں فرمائی ہیں۔ درجنوں مجموعے مرتب ہوئے، ان میں صحاح ستہ کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ قرآن کے بعد دنیا کی تمام کتابوں میں صحیح بخاری کو اولیت حاصل ہے۔ مذکورہ خیالات کا اظہار علامہ محمد احمد مصباحی ناظمِ تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے گذشتہ شب جامعہ ایوب نسواں پیرا کنک میں افتتاح بخاری شریف کے موقع پر منعقد تقریب کو خطاب کرتے ہوئے کیا۔ مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی پرنسپل وصدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے اپنے خطاب میں کہا کہ امام بخاری نے اس کتاب میں صرف مرفوع حدیثوں کو ہی درج کیا ہے۔ آپ کی تصنیف کو اللہ رب العزت نے مقبولِ عام عطا فرمائی ہے اور یہ کتاب بارگاہ نبوی میں بھی مقبول ہوئی۔ قرآن کے بعد جامع بخاری سب سے صحیح کتاب ہے۔

علاوہ ازیں رسم افتتاح بخاری سے قبل خانقاہ قادریہ ایوبیہ کے ذمہ داران و دیگر علما کے ساتھ ایک اہم میٹنگ علامہ محمد احمد مصباحی کی صدارت اور مفتی محمد نظام الدین رضوی کی سرپرستی اور مولانا شمس الدین مصباحی کی نظامت میں ہوئی۔ میٹنگ میں بہ اتفاق رائے یہ فیصلہ ہوا کہ جشن صد سالہ امام احمد رضا قدس سرہ خانقاہ کی جانب سے گونڈی ممبئی میں منعقد ہوگا اور آئندہ عرس قادری ایوبی کے موقع پر سیمینار کا موضوع بھی امام احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ کی شخصیت، حیات و خدمات پر ہوگا اور اس موقع پر امام احمد رضا سیمینار کے مجموعۂ مقالات کی رسمِ اجرا بھی ادا ہوگی اور مندوبین اسی میں شائع شدہ اپنے اپنے مقالات کا خلاصہ سامعین کے سامنے پیش کریں گے۔ خانقاہ کے سجادہ نشیں قاری محمد سبطین رضا قادری ایوبی نے مہمانوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہ آپ حضرات کے مشورے سے جو بھی تصنیفی کام ابھی ادھورے رہ گئے ہیں، اسے ہم ان شاء اللہ مکمل کرانے کے لیے کوشاں رہیں گے۔ انجینئر محمد حسنین رضا قادری ایوبی اور مولانا کونین رضا نے کہا کہ دینی پیغام اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک کو عام کرنے کی ضرورت ہے۔ اس موقع پر مولانا نفیس احمد مصباحی، مولانا اختر حسین فیضی، مولانا رحمت اللہ مصباحی، قاری محمد شکیل نظامی، مولانا عبد اللہ برکاتی، مولانا فیض الرحمٰن ایوبی، مولانا ثقافی، مولانا قاری آفتاب عالم نظامی، مولانا اکبر علی، مولانا شمس الدین مصباحی سمیت کثیر تعداد میں علما و عوام موجود تھے۔ اخیر میں تاج الشریعہ علامہ مفتی اختر رضا خان ازہری علیہ الرحمۃ کی بارگاہ میں خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے ایک پروگرام ہوا جس میں نعت و منقبت کے اشعار پیش کیے گئے اور علمانے ان کی خدمات پر تفصیل سے روشنی ڈالی، قل شریف کے بعد ایصالِ ثواب کیا گیا۔ علامہ محمد احمد مصباحی کی دعا پر پروگرام کا اختتام ہوا۔

از: نور الہدیٰ مصباحی، مہراج گنج۔

ماہ نامہ اشرفیہ حاصل کریں

بنارس میں

جناب حاجی ابرار احمد عزیزی جنرل اسٹور

متّصل جامعہ ہاسپیٹل، پیلی کوٹھی، بنارس

اورنگ آباد میں

اپٹوڈیٹ ٹیلر نواڈیہ روڈ، اورنگ آباد، بہار

کولکاتا میں

حافظ محمد عارف صاحب

مومن پور روڈ-35/H/2 خضر پور، کالکاتا (مغربی بنگال)

سلطان پور میں

مولانا محمد ابو بکر صاحب

مدرسہ سراج العلوم لطیفیہ، نہال گڑھ، جگدیش پور

سلطان پور (یو.پی.)

مہراج گنج میں

مولانا محمد قاسم مصباحی

مدرسہ عزیزیہ مظہر العلوم، نچلول بازار، مہراج گنج (یوپی)

ہوڑہ میں

عزیزی کوریئر اینڈ کار گو سینٹر

256/B/1 بلیلس روڈ، ہوڑہ-1